ابو الشہداء

الاستاذ عبّاس محمود العقاد مرحوم

ترجمہ

مولوی محمد باقر النقوی مدیر رسالہ اصلاح

ابو الشہداء

ترجمہ

مولوی محمد باقر النقوی

۷۸۶

نوٹ:- فہرست مضامین کتاب کے آخر میں صفحہ ۲۵۳ کے بعد ملاحظہ ہو-

ابو الشہداءؑ

الاستاذ عباس محمود العقاد مرحوم

مترجمہ

مولانا محمد باقر صاحب (مدیر: اصلاح)

بار اوّل سنہ ۱۹۶۷ء

پرنٹر۔ سرفراز قومی پریس ناداں محل روڈ لکھنؤ

پبلشرز۔ احباب پبلشرز اقبال منزل مقبرہ عالیہ گولہ گنج لکھنؤ

قیمت۔ چار روپیہ

فطرت انسانی

انسان کی فطرت دو متضاد جذبوں کی حامل ہے جو ایک دوسرے سے بالکل الگ اور جداگانہ نظر آتے ہیں۔ انسان کا ہر عمل انہیں دو جذبوں میں سے کسی جذبہ کے تحت رونما ہوا کرتا ہے۔ ان میں سے ایک جذبہ ہے نیکوکاری کا اور دوسرا جذبہ ہے مطلب پرستی اور خودغرضی کا۔ ایک نیکوکار انسان اپنی فطرت کے تقاضے کی بنا پر نیکی اور بھلائی کے کام انجام دیتا ہے اس لئے کہ اسے قلبی تسکین اور روحانی سکون اسی طرح حاصل ہوتا ہے۔

برخلاف اس کے ایک بدفطرت شخص ہر اچھا یا برا کام حصول مقصد کی خاطر نہیں بلکہ خودغرضی کی بنا پر انجام دیتا ہے بس وہ یہ دیکھتا ہے کہ اس کام کے کرنے میں اسکا اپنا مفاد حاصل ہوتا ہے یا نہیں۔

لیکن یہ دونوں جذبے آپس میں اس طرح مخلوط ہو گئے ہیں کہ کسی شخص کے متعلق یہ فیصلہ کرنا آسان نہیں کہ وہ جو کام انجام دے رہا ہے وہ جذبہ نیکوکاری کے تقاضے سے یا خودغرضی کی بنا پر۔ اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص کوئی اچھا کام کر رہا ہے لیکن یہ نہیں بتایا جا سکتا کہ وہ اسے اپنی کسی غرض کی بنا پر انجام دے رہا ہے یا بالکل خلوص اور نیک نیتی کی بنا پر جس میں خودغرضی کا کوئی شائبہ نہیں۔ بہرحال اس حد تک کسی شخص کا عمل بھی قابل اعتراض قرار نہیں پا سکتا جو فی نفسہ اچھا ہو اور وہ اسے مفاد پرستی کی بنا پر انجام دے رہا ہو۔ ایسے موقع پر اچھی اور بری نیت میں تمیز

کرنا مشکل ہو جاتا ہے خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ بدعملی پر بھی نیکوکاری کا غلاف چڑھا دیا گیا ہو اور ذاتی اغراض کا حصول نوع انسانی کی فلاح و بہبود کے نام پر کیا جا رہا ہو۔ دنیا میں جو بڑے بڑے تاریخی واقعات رونما ہوئے ہیں ان میں جذبہ نیکوکاری اور جذبہ مفاد پرستی کے درمیان حد فاصل کا معلوم کر لینا بہت ہی دشوار ہے۔

اگر ہم تاریخ پر نظر ڈالیں گے تو معلوم ہوگا کہ دنیا کا ہر کارنامہ انہیں دونوں میں سے کسی ایک جذبہ کا رہین منت ہے۔ کسی نے انسانی کمزوریوں سے جلب منفعت کرنے کی کوشش کی اور ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا کہ ان کی کمزوریوں کی وجہ سے ان پر آسانی سے غالب آیا جا سکے اور اگر سابقہ کسی اعلیٰ کردار کی قوم سے پڑا تو ویسے ہی ذرائع اختیار کر لئے گئے جو ان کے فطری رجحان سے میل کھاتے ہوں۔

تاریخ کے تمام کارنامے انہیں جذبات کے ماتحت رونما ہوا کئے ہیں۔ کامیابی یا ناکامیابی نیکوکار قوم کو بھی حاصل ہوتی ہے اور خود غرض قوم کو بھی۔ فتح و شکست کا دار و مدار ان ذرائع کے حصول اور ان کے استعمال پر ہوتا ہے جو کسی نیکوکار یا خود غرض قوم کو حاصل ہو جاتے ہیں۔ اگر کسی خود غرض کارنامہ ساز نے خود غرضوں کی جماعت جمع کر لینے میں کامیابی حاصل کر لی تو فتح و ظفر اس کے حصے میں آئے گی اور اگر نیکوکار کارنامہ ساز نے اپنے پاکیزہ خیالوں کے موئدین کی جماعت تلاش کر لی تو کامیابی اسکے قدم چومے گی۔ البتہ زمان و مکان اور ماحول کے تقاضے اور حالات ان میں سے ہر ایک کے طریقہ کار پر اثر ڈال سکتے ہیں۔

مگر یہ بھی حقیقت ثابتہ ہے کہ نیکوکاری نے خود غرضی پر اور حق نے باطل پر ہمیشہ غلبہ حاصل کیا ہے۔ اسے کبھی شکست نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے۔ عالمی واقعات اور دنیاوی تغیرات کسی حالت میں بھی نیکی اور اسکے اثرات ما بعد کو متاثر نہیں کر سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مفاد پرستی اور خود غرضی ایک انفرادی و شخصی چیز ہے

جنکی بنیاد گویا بالو پر قائم ہوتی ہے اور اس جذبہ کی بنا پر انجام دیا ہوا کوئی کارنامہ اس فرد کے مرجانے کے بعد فنا ہو جاتا ہے یعنی خود غرضی کو جو فتح حاصل ہوتی ہے وہ وقتی اور عارضی ہوتی ہے۔ برخلاف حق و صداقت اور نیکوکاری کے کہ اسکی بنا پر کیا ہوا کارنامہ کسی ذاتی غرض و مقصد پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ اسکی عمارت نوع انسانی کی سود و بہبود اور بھلائی کی بنیادوں پر قائم ہوتی ہے۔ یہ جذبہ نیکوکاری دوسروں کو اپنے ہم جنسوں کے ساتھ حسن سلوک اور نیکی کرنے پر امادہ کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ ایسا کارنامہ سدا بہار پھول کی حیثیت رکھتا ہے جو کبھی مرجھاتا نہیں بلکہ ہمیشہ ترو تازہ رہتا ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ بادی النظر میں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کہ خود غرضی اور مفاد پرستی ایک مفید اور دیرپا چیز ہے اسلئے بظاہر خود غرض انسان اپنی مطلب براری میں کامیاب ہو جاتا ہے اور نیکوکار شکست خوردہ اور ناکام نظر آتا ہے۔

مگر یہ چیز فریب نظر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ خود غرض انسان کی ظاہری کامیابی ہی دراصل اسکی ناکامی ہوتی ہے اور نیکوکار کی ناکامی ہی درحقیقت اسکی فتح و ظفر۔ یہ ایسی حقیقت ہے جسکی تصدیق تاریخ بھی کرتی ہے۔ تاریخی کارناموں پر اگر آپ نظر ڈالیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ انفرادی کامیابی یا ناکامیابی کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ یہ کارنامہ دنیا کے سامنے عملی شکل میں آنا ضرور ہے۔ مگر جلد ہی داستان ماضی بنجاتا ہے لیکن نیکوکار ہستیوں کا انجام دیا ہوا کوئی کارنامہ انکے مرجانے کے بعد بھی زندہ رہتا ہے اور اپنے اثرات سے افراد اور عوام کو آئندہ غیر محسوس طور پر فائدہ پہنچاتا رہتا ہے۔ بس یہی وجہ ہے کہ جب نیکوکاری و یزدانیت اور خود غرضی و اہرمنیت میں تصادم ہوتا ہے تو ہمیشہ فتح و ظفر اول الذکر ہی کے حصے میں آتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ دیکھنے میں صورت حال اسکے برعکس نظر آتی ہو لیکن نتیجہ کامیابی

ہمیشہ نیکو کاری اور عدالت و صداقت ہی کے حصے میں آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صداقت شعار اور نیکو کار انسان تاریخ میں زندہ جاوید بنکر رہ جاتے ہیں اور آیندہ نسلیں انکی مقرر کردہ شاہراہوں پر چلنا اپنی سعادت خیال کرتی ہیں۔ مورخین بھی ہماری آپ کی طرح جذبات سے خالی نہیں ہوتے۔ کسی مورخ کیلئے جذبات سے بالاتر ہونا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مورخ واقعات و حادثات پر بے لاگ نظر ڈالنے کے باوجو جذبات کی رو میں بہکر کسی تحریک کی موافقت یا مخالفت کرنے لگتا ہے۔ خود غرض مورخ ہمیشہ اس تحریک کا موید نظر آئیگا جو مفاد پرستی و سفلہ پروری اور کمینگی پر مبنی ہو وہ اپنی تائید میں طرح طرح کے منطقی استدلات بھی تراش لیتا ہے تاکہ دوسروں کو اپنا ہم خیال بنا سکے۔ اسی طرح نیکو کار مورخ بھی تاریخی حوادث کو اپنے جذبات کے آئینہ میں دیکھنے کی کوشش کرتا ہے اور وہ بھی اپنی تائید میں منطقی دلائل پیش کرتا ہے۔

بہر حال یہ ماننا پڑیگا کہ خود غرضی، بزدلی اور برائی کی تائید ایک ایسا فعل ہے جس کے کوئی معنی نہیں۔ اسکے برعکس نیکو کاری، سچائی، شرافت انسانی کی تائید بنی آدم کی بھلائی کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ نیکی فی نفسہ اچھی چیز ہے جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ بدکار بھی اپنی برائی کو برائی نہیں بلکہ اچھائی ہی کہتا ہے وہ برائی کرتا ہے نیکی کے نام سے اور برائی کرنے کے باوجود برائی کو دل میں برا ہی سمجھتا ہے۔ اسکے معنی یہ ہوئے کہ اچھائی کو اچھا اور برائی کو برا سمجھنا فطرت انسانی ہے جس سے انسان کو کسی حالت میں مفر نہیں۔ نوع انسانی کی بقا کے لیے یہ اشد ضروری ہے کہ نیکو کاری اور عدل و صداقت کا بول بالا رہے۔ اس سے حیات انسانی قوت و حرارت حاصل کرتی ہے اور اسکی روشنی میں اقوام و ملل ارتقائی منزلیں طے کرتی ہیں۔

مشرق کی تاریخ میں ایسے متعدد واقعات و حادثات پائے جاتے ہیں جو نیکی و بدی کی باہمی آویزش کے نتیجے میں رونما ہوئے لیکن جو سانحہ حضرت امام حسینؑ اور یزید بن معاویہ کے عہد میں ظہور پذیر ہوا اسکی مثال تاریخ عالم پیش کرنے سے قاصر ہے۔ حسینؑ اور یزید کے درمیان جو تصادم ہوا وہ درحقیقت نیکی و بدی کا باہمی تصادم تھا اور دو متضاد مزاجوں کے درمیان جنگ تھی۔

ان میں سے ایک مزاج وہ تھا جس کے اجزائے ترکیبی میں ایثار، قربانی، اخلاص، انسانیت، شرافت، مخلوق خدا سے حقیقی محبت اور رضائے خداوندی جیسے محاسن پائے جاتے تھے اور دوسرا مزاج وہ تھا جس کی ساخت خودغرضی مفاد پرستی، ظلم و جبر، درندگی و بربریت اور سفلگی و کمینگی سے ہوئی تھی۔

حضرت علیؑ اور معاویہ کے درمیان جو جنگ ہوئی اسکی حیثیت شخصی نہ تھی بلکہ دو ایسے متضاد مزاجوں کے درمیان تھی جن کے مابین کوئی نقطہ مشترک سرے سے پایا ہی نہ جاتا ہو بلکہ علیؑ و معاویہ کی آویزش دینی امامت و سربراہی اور دنیاوی اقتدار و دولت کے مابین ایک آویزش کی حیثیت رکھتی تھی۔ اور حقیقت دنیاوی اقتدار و دولت کو اس لئے کامیابی ہوئی کہ اس زمانہ میں حالات کا تقاضا ہی یہ تھا مسلمان عموماً دنیا پرست ہو گئے تھے اسلامی قدروں اور دینی امامت کا تصور ان کے دل سے محو ہو چکا تھا۔ انکے نزدیک دنیاوی دولت و حشمت ہی سب کچھ تھی۔ اقتدار و اختیار عامۃ المسلمین کی کشش کا باعث بنے ہوئے تھے معاویہ کی شخصیت دنیاداری میں ملوث ہو کر رہ گئی تھی جبکہ حضرت علیؑ اخلاق قرآنی اور سیرت نبوی کی بقا اور انسانی نجات کیلئے کوشاں تھے۔ آپ کا منشا یہ تھا کہ دینی امامت و سربراہی حاصل کر کے انسانی فلاح و بہبود کا سامان فراہم کریں غلامانہ ذہنیت رکھنے والے افراد ایک ظالم و جابر اور متمرد حاکم کے سامنے تو سر اطاعت

علی اور معاویہ کی آویزش دینی امامت و سربراہی اور دنیاوی اقتدار و دولت کے مابین آویزش تھی۔

ختم کر سکتے ہیں لیکن دعوت حق کو قبول کرنے کی اُن میں ہمت نہ پیدا ہوتی۔ پس معاویہ
کو جو کامیابی ہوئی وہ صرف اس وجہ سے کہ اس زمانہ کے حالات اور عام مسلمانوں کے
مزاج ہی بگڑے ہوئے تھے اور معاویہ کے مزاج سے میل کھاتے تھے۔ اس کامیابی
میں خود اسکی لیاقت کو کوئی دخل نہ تھا بس دخل تھا تو صرف اتنا کہ وہ دنیا پرستوں،
خود غرضوں کی خواہشات کا مظہراتم بن گیا تھا۔ اسی وجہ سے اس وقت کے
بہت سے مسلمانوں نے مادی لالچ میں آکر اسکا ساتھ دیا اور دین کے بدلے دنیا
کو اختیار کر لیا۔

یزید جب سریر آرائے سلطنت ہوا تو اموی سلطنت کی جڑیں مضبوط ہو چکی
تھیں اور بنی امیہ ہر طرف چھائے ہوئے تھے۔ وہ سیاسی اعتبار سے اتنے طاقتور ہو گئے
تھے کہ اپنے زمانہ کے بادشاہ گر بن بیٹھے تھے جسے چاہتے تخت سلطنت پر بٹھاتے
اور جسے چاہتے معزول کرتے۔ یزید کے بعد اسکے بیٹے معاویہ کی بیعت کی گئی لیکن
اسے دنیاداری اور حکمرانی پسند نہ تھی۔ وہ تاج و تخت پر لات مار کر محل سرا میں
جا کر گوشہ نشین ہو گیا اور تین ہی مہینے میں انتقال کر گیا۔

ان حالات کو دیکھنے کے بعد حسینؑ و یزید کے درمیان موازنہ و مقابلہ کا کوئی
سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

یزید کے متعلق خود اسکے باپ معاویہ اور معاویہ کے مخلصین کی جو رائے تھی
وہ سب پر ظاہر ہے۔ یزید کیلئے بیعت لینے کا کام شروع کرنے سے پہلے اس کی اخلاقی حالت
کو سدھارنے کی بہت کچھ کوشش کی گئی اور اس پر زور دیا گیا کہ وہ اپنے قبیح اطوار کو
ترک کر دیگا وہ تو معاصی و معائب میں اس طرح ملوث ہو چکا تھا کہ اس پر کوئی نصیحت
کارگر نہ ہوئی اور اسکے کردار میں ذرہ برابر فرق نہ آیا۔ جب یزید کی اصلاح سے
بالکل مایوسی ہو گئی تو معاویہ کے مشیروں نے اسے صلاح دی کہ اب تمہیں حسینؑ کی ذات

یں معائب و نقائص نکال کر انکی خوب نشر کرنا چاہئے لیکن معاویہ نے جواب میں کہا کہ
خدا کی قسم میں حسینؑ کے خلاف کسی اہانت کا ارتکاب نہیں کرسکتا اسلئے کہ انکی ذا
میں مجھے کوئی عیب نظر ہی نہیں آتا۔

کچھ ایسے مسلمان بھی ہیں جو حضرت علی اور معاویہ کے درمیان تقابل کرکے
علی پر معاویہ کو ترجیح و فضیلت دیتے ہیں ۔ یہ خیال بس سیاست پر موقوف
ہے ورنہ علی و معاویہ کے درمیان موازنہ و مقابلہ کا کوئی محل ہی نہیں ہے معا
نے اپنی سیاست کی بناء پر کامیابی حاصل کرلی مگر یزید میں معاویہ جیسی بھی ڈپلومیسی
نہ تھی اور وہ اپنے باپ کی طرح سیاسی جوڑ توڑ نہیں جانتا تھا معاویہ کی سیا
قبائلی عصبیت اور بدوی جذبات انتقام پر مبنی تھی۔ یہی سبب تھا کہ اس نے
عثمان کے قتل کو اپنے حصول مقصد کیلئے حیلہ بنایا اور جاہل قبیلوں کو انتقا
پر اکسایا۔ خون عثمان کا بدلہ لینا تو ایک بہانہ تھا اور ایک سیاسی چال۔

جب معاویہ نے قتل عثمان کا شاخسانہ کھڑا کیا تو اس وقت وہ خلافت ک
دعویدار نہیں تھا بلکہ اسکے پیش نظر یہ تھا کہ قبائلی عصبیت کو ابھار کر مسلمانوں
درمیان فتنہ و فساد برپا کردیا جائے جس سے اسے فائدہ اٹھانے کا موقع ملج
چنانچہ اس بات کو معاویہ کے حالی موالی بھی اسی وقت سمجھ گئے تھے کہ معاوی
مقصد خون عثمان کا انتقام لینا نہیں ہے بلکہ جو کچھ کیا جارہا ہے وہ ذاتی مقا
اغراض کے حصول کے لئے ۔ مگر جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ معاویہ خلافت ا
لئے ہی نہیں چاہتا بلکہ اسے اپنے خاندان میں موروثی بنا دینا چاہتا ہے تو ا
کا غم و غصہ بڑھ گیا۔ انکے لئے یہ تصور بھی ناقابل برداشت تھا کہ معاویہ اپنے بیٹے
کو انکے سر پر مسلط کرجائے جو فاسق و فاجر، رقص و سرود اور شکار و تفریح
دلدادہ تھا، شراب خواری اور عیاشی اسکا ہر وقت کا مشغلہ تھا، وہ نماز

ترک کرتا تھا اور ماں بہنوں کے درمیان میں کسی امتیاز کو ضروری نہیں سمجھتا تھا۔ یزید کی دقعت خود اس کے باپ معاویہ اور اسکے ہم نشینوں کی نظروں میں کچھ بھی نہ تھی۔ ایسی صورت میں حسینؑ اور یزید کے مابین مقابلہ وموازنہ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جس طرح ہم اوپر بتا آئے ہیں حسینؑ اور یزید کے مابین جو اختلاف تھا وہ انفرادی حیثیت سے دو شخصیتوں کے درمیان نہ تھا بلکہ دو مزاجوں اور دو مکتب ہائے خیال کے درمیان تھا جن میں سے حسینؑ مزاجاً روحانیت کے مظہر انسانیت کے پیکر، خدمت خلق کے دلدادہ تھے برخلاف اسکے یزید کمینگی، سفلگی، تنگ نظری عصبیت، درندگی و وحشت اور بداخلاقی وبدکاری کی جیتی جاگتی تصویر بنا ہوا تھا۔ یہ دونوں اپنی اپنی خصوصیات میں حد کمال کو پہونچے ہوئے تھے اور دونوں ہی کو اپنے اپنے نقطہ نظر سے کامیابی حاصل ہوئی۔ حسینؑ حق وصداقت انسانیت وروحانیت، راست بازی اور نیکوکاری میں کامیاب ہوئے جبکہ انکے حریف یزید نے ذلت وخواری، خباثت ووحشت، ظلم وبربریت اور سیہ کاری اور غیر انسانی افعال میں پوری پوری کامیابی حاصل کی۔ دنیا آج حسینؑ کی بنائی ہوئی شاہ راہ پر چل کر فلاح وصلاح اور نجات ورستگاری پر پہونچ سکتی ہے اور یزید کے نقش قدم پر چلکر دنیا والے آج بھی خسارہ اٹھا رہے ہیں اور انہیں آج بھی انسانیت وشرافت کو ذلیل کر دینے میں باک نہیں ہے۔

نویں محرم کا دن گزر کر جب رات آئی تو آپ نے اپنے وفا شعار اصحاب کو جمع کرکے فرمایا کہ میں چند گھنٹوں کے بعد جام شہادت نوش کرنے ہی والا ہوں اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ تم میں سے جسے اپنی عافیت منظور ہو اسے میں چلے جانے کی اجازت دیتا ہوں کہ وہ اس پردہ شب میں اپنی جان بچا کر چلا جائے

ہیں اسے اپنی بیعت سے آزاد کرتا ہوں لیکن شمع امامت کے ان پروانوں نے جان بچا کر نکل جانے سے صاف انکار کر دیا۔ انصار میں سے ایک بوڑھے زاہد و عابد شخص مسلم بن عوسجہ اسدی نے کھڑے ہو کر کہا کہ ہم آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں تو خدا کو کیا منہ دکھائینگے واللہ میں آپ کو چھوڑ کر ہرگز نہ جاونگا جب تک کہ میرے جسم میں رمق جان باقی رہے گی میں آپ کے دشمنوں کو واصل جہنم کرتا رہوں گا۔ اگر میرے پاس تلوار یا کوئی اور آلہ حرب باقی نہ رہا تو آپ کو بچانے کیلئے ان دشمنان خدا کو پتھر مارونگا اور آپ ہی کے ساتھ درجہ شہادت پر فائز ہونگا اس مرد مجاہد نے جو کچھ کہا تھا وہی کر دکھایا۔ مسلم ابن عوسجہ جب زخموں سے چور ہو کر زمین پر آئے تو حبیب ابن مظاہر ان کے پاس پہونچے اور کہا کہ تم آگے جا رہے ہو اور میں جلد ہی تمہارے بعد پیچھے پیچھے آ رہا ہوں۔ دل چاہتا تھا کہ تم کوئی وصیت کرتے اور میں اسے پورا کرتا مگر اب اسکا وقت کہاں! مسلم ابن عوسجہ نے حضرت امام حسینؑ کیطرف اشارہ کرکے کہا کہ میری آخری وصیت یہی ہے کہ تم جب تک زندہ رہو امام کی محافظت کرتے رہنا۔

نام نہاد مسلمانوں نے حسین مظلوم کو شہید کر دیا اور اس طرح علویین کی حکومت قائم ہونے کا کوئی امکان باقی نہ رہا۔ لیکن جب کبھی حسینؑ کو ملامت اور سب و شتم کا نشانہ بنایا گیا تو حق پرستوں کے دل میں یہ حسرت مچل کر رہ گئی کہ کاش اسکا جواب دینے کا پورا موقع ہوتا۔

جب شہادت حسین کی خبر کوفہ پہونچی تو عبید اللہ بن زیاد مسجد میں جاکر منبر پر کھڑا ہوا اور مجمع کے سامنے کہنے لگا کہ "خدا کا شکر ہے جس نے حق اور اہل حق کو فتح دی اور امیر المومنین یزید بن معاویہ اور اس کی جماعت کو کامیاب بنایا کذاب ابن کذاب حسین ابن علی اور اس کے گروہ کو قتل کیا۔"

مسجد کے ایک گوشے میں عبداللہ بن عفیف ازدی بیٹھے تھے جو اب بہت بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے ان کی ایک آنکھ جنگ جمل میں اور دوسری جنگ صفین میں جاتی رہی تھی وہ ابن زیاد کا کلام سنکر تڑپ اٹھے۔ کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ "اے ابن مرجانہ! چپ ہو جا نبی کی اولاد کو قتل کر کے فاتحانہ انداز میں منبر پر کھڑے ہو کر صدیقین کی طرح باتیں بنا رہا ہے، جھوٹا تو ہے اور تیرا باپ بھی جھوٹا تھا اور وہ بھی کذاب ہے جس نے تجھے کوفہ کا حاکم مقرر کیا ہے اور اسکا باپ معاویہ بھی کذاب اور دروغ گو تھا۔ عبداللہ بن عفیف کو اسی وقت سولی پر چڑھا دیا گیا۔

یہ تھا شہادت حسینی کا اثر تھا جس نے ایک پیر نابینا کو فرعون وقت کے سامنے حق کی آواز بلند کرنے پر مجبور کر دیا اور نہ معلوم کتنے ہی نیکوکاروں کی انسانیت کو اجاگر کر دیا۔

اس کے برخلاف یزید کے حامیوں کو دیکھئے جو وحشت و درندگی اور خست و کمینگی کی انتہا کو پہونچے ہوئے تھے۔ وہ چند سکوں کے عوض مدینہ میں مسجد نبوی کی حرمت زائل کرنے سے نہ چوکے اور عصمت دری تک سے باز نہ آئے حالانکہ جس نبی کا یہ کلمہ پڑھتے تھے اسی کے حرم کے باشندوں کو لوٹا کھسوٹا اور تہ تیغ کیا۔

ان کے اخلاق پستی کی آخری منزل تک پہونچے ہوئے تھے اور انکے قلب تاریک ہو گئے تھے، شروع میں وہ حسینؑ سے جنگ کرنے میں جھجک رہے تھے مگر جب حسین شہید ہو گئے تو ان سیاہ قلب انسانوں بلکہ درندوں نے آپ کے جسم مطہر کے کپڑے تک اتار لئے اور پردہ نشین عورتوں کو خوب لوٹا۔ وہ کافر نہ تھے بلکہ اپنے آپ کو حسین کے نانا حضرت محمد مصطفیٰؐ کا پیرو بتاتے تھے مگر جس نبی کا کلمہ پڑھتے تھے

اسی کی ذریت کو قتل وغارت کیا۔

حسینؑ اور یزید میں فطرت کا اختلاف ہی نہ تھا بلکہ حصول مقصد کے ذرائع بھی مختلف تھے۔ معاویہ اور اسکے رفقا کا مقولہ تھا کہ خدا نے شہد کی صورت میں میرے لئے ایک لشکر پیدا کر دیا ہے یعنی یہ کہ جو معاویہ کی راہ میں رکاوٹ بنتا وہ اسی کو شہد میں زہر ملا کر مار ڈالتا۔

یہ حربہ متعدد لوگوں کے خلاف استعمال کیا گیا۔ دوستوں پر بھی اور مخالفوں پر بھی۔ تاریخیں گواہ ہیں کہ حضرت امام حسنؑ اور جناب اشتر نخعی کو اسی نے زہر دیکر شہید کیا۔ خیر ان دونوں کے متعلق تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ معاویہ انہیں اپنا مخالف سمجھتا تھا مگر اس نے اپنے خیر خواہ عبد الرحمن بن خالد کو بھی زہر دے کر ہلاک کر ڈالا۔ عبد الرحمنؒ کا قصور بس اتنا تھا کہ وہ یزید کو خلیفہ بنانے کے موئد نہ تھے۔ معاویہ نے طبیب ابن آثال کے تیار کردہ زہر سے عبد الرحمن کو قتل کیا تھا جس کے انتقام میں ان کے اعزا نے ابن آثال کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

مگر حسینؑ اور حسینؑ کے متبعین نے کبھی ایسے چھچھورے حربے استعمال نہیں کئے اگر وہ بھی معاذ اللہ انہیں ہتھکنڈوں سے کام لیتے تو وہ معاویہ کے مقابلہ میں ضرور کامیاب رہتے۔ اس کے برخلاف تصویر کا روشن پہلو دیکھئے۔ قبیلۂ کندہ کے سردار جناب ہانی بن عروہ حسینؑ اور ان کے پدر بزرگوار حضرت علیؑ کے حامیوں میں تھے۔ اتنے صاحب اثر تھے کہ ان کے ذرا سے اشارے پر ہزاروں تلواریں نیام سے باہر آجاتی تھیں۔ جب یزید نے عبید اللہ بن زیاد کو حاکم کوفہ بنا کر بھیجا تو وہ خود ہانی کے مکان پر ان کی عیادت کے بہانہ سے اسلئے گیا تاکہ حضرت امام حسینؑ کے مقابلہ میں ہانی کی حمایت حاصل کرے۔ ہانی بن عروہ یا کسی اور شخص نے حضرت مسلم بن عقیل کو جو ہانی کے گھر میں روپوش تھے یہ مشورہ

دیا کہ جب عبید اللہ آئے تو آپ اسے پردے سے باہر آکر اچانک قتل کر دیں
پھر کامیابی آپ کے قدموں کے نیچے ہوگی۔ مگر حضرت مسلم نے یہ مشورہ قبول کرنے
سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ ہم اہل بیت نبوت فریب دہی اور دھوکے
سے نفرت کرتے ہیں۔ حضرت مسلم کو یہ مشورہ اس وقت دیا گیا جب ابن زیاد
آپ کی جان کے درپے تھا اور اس نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ جو مسلم کو گرفتار
کر کے لائے گا یا جوان کا پتہ بتائے گا اسے انعام دیا جائے گا۔ مگر یہ مسلم
کا کردار تھا کہ آپ نے دھوکے سے اپنے جانی دشمن کو قتل کرنے سے انکار کر دیا۔
مکارانہ سیاست کے دلدادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت مسلم نے سیاسی غلطی
کی۔ انہیں جب موقع ملا تھا تو اپنے دشمن کو فوراً قتل کر ڈالنا چاہئے تھا مگر
دنیاوی سیاسیات پر عقیدہ رکھنے والے اسے غلطی کہہ لیں لیکن ہم تو اسے اخلاق و
کردار کی سب سے بڑی معراج ہی کہیں گے جس کا ارتکاب کرنا ہر کس و ناکس
کے بس کی بات نہیں۔

بعض معترضین یہ کہتے ہیں کہ حسینؑ کے ساتھی شہادت پر اس لئے آمادہ
ہو گئے تاکہ انہیں کسی طرح جنت مل جائے۔ گویا ان کے اس عمل میں صداقت
نکوکاری اور ایمان کو دخل نہ تھا بلکہ صرف جنت کا لالچ تھا۔ مگر یہ اعتراض
بالکل غلط اور حقیقت پر مبنی نہیں۔ یوں تو ہر نیک کام کرتے وقت انسان
کے سامنے جزا کا تصور رہتا ہے اس کے یہ معنی ہوئے کہ ہر نیک کام کو خود غرضی پر
مبنی سمجھا جائے۔ پھر سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ یزید کے طرفداروں کو بھی
یہی راستہ اختیار کرنا چاہئے تھا۔ انکا بھی تو یہ دعویٰ تھا کہ وہ خدا کا عقیدہ
رکھتے ہیں اور جنت و دوزخ کے قائل ہیں۔ آخر پیروان یزید ایک ایسی
تحریک کی طرف کیوں متوجہ ہوئے جو ان اسلامی عقائد و مسلمات سے متغائرت

رکھتی تھی۔ اور اگر آپ غور کریں تو یہ حقیقت نظر آئے گی کہ یزیدی تحریک ایمان و مذہب کے قطعی خلاف تھی۔ اصل بات یہ ہے کہ انکا ایمان ناقص ہی نہیں بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ اُن کا ایمان سے ذرہ برابر تعلق نہ تھا حسینؑ و یزید کے پیرووں میں جو اختلاف پایا جاتا ہے وہ درحقیقت انسانی فطرت و طبیعت کا اختلاف تھا۔ ایک فطرت وہ بھی ہوتی ہے جو بغیر کسی مقصد و غرض کے نیکو کاری، حق کوشی، انصاف پروری اور صداقت شعاری کی طرف مائل ہوتی ہے اور حسینؑ اور اُن کے متبعین کی فطرت یہی تھی اور یہی صفت انہیں یزید اور اس کے حامیوں سے ممتاز و ممیز بنا دیتی ہے۔

اس کے علاوہ دوسری فطرت وہ ہوتی ہے جو کسی شخصی مفاد کے بغیر کسی عمل کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتی اور اپنی مطلب براری کے لئے وہ نہ اخلاقی قدروں کا لحاظ کرتی ہے، نہ روحانی پابندیوں کا اور نہ انسانی ذمہ داریوں کا۔ اس فطرت کے خمیر میں کمینگی، ظلم و جور اور غداری و بے وفائی مضمر ہوتی ہے اور انہیں برائیوں کا سہارا لیکر وہ اپنا مطلب نکالنے کی کوشش کیا کرتی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ حسینؑ کے رفقاء کی تعداد بہت ہی قلیل تھی لیکن انکا اخلاق اور اُن کی روحانیت یزید کے بے شمار لشکر پر فوقیت رکھتی تھی اور یہی چیزیں عقل انسانی کو حیرت میں ڈالنے والی تھیں اور رفقائے حسینی کی شجاعت و بہادری اور استقلال و پامردی کا سرچشمہ تھیں۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ ہر وہ تحریک جو بنی نوع انسان کی فلاح و صلاح کے لئے چلائی گئی ہے اس کے مؤیدین کی تعداد ہمیشہ بہت کم رہی ہے

مگر اس تحریک کو چلانے والوں اور اسے کامیاب بنانے والوں کے اعمال دنیا میں زندہ جاوید بن کر رہے۔ یزید اور اس کے ہمراہیوں نے امام حسین کی شہادت پر جشن منائے اور جام و سبو سے شغل کر کے اپنی کامیابی پر اظہار مسرت کیا لیکن وہ دنیا میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے لعنت کا آماجگاہ بن گئے مگر حسینیت آج بھی زندہ ہے اور انسان اپنی صلاح و فلاح کے لئے حسینی کارناموں کو اپنے لئے مشعل راہ بناتا رہتا ہے۔ حسین نے نیکی و بدی کے مابین جو حد فاصل کھینچ دی تھی وہ تاریخ میں اپنی مثال نہیں رکھتی۔

چشمک اور رقابت

چشمک اور رقابت

حسین اور یزید کے ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہونے سے مدتوں پہلے کچھ ایسے واقعات مسلسل پیش آئے جنھوں نے ان دونوں کی عداوت و خصومت کے اسباب اکٹھا کر دیئے۔ ان دونوں کی باہمی عداوت کوئی دو ایک وجہوں سے نہ تھی۔ بلکہ داخلی و خارجی جتنے قوی سے قوی اسباب ہو سکتے تھے۔ وہ سب اسباب ایک ایک کر کے مجتمع ہو گئے تھے۔ قبائلی تعصب، احساس برتری، پرانے کینے، اپنے مقتول عزیزوں کے انتقام کا جذبہ جو برسہا برس سے وراثتہً چلا آرہا تھا۔ سیاسی نظریات، ذاتی جذبات، طرز معیشت کی مغائرت، انداز فکر کا اختلاف وغیرہ غرضکہ بہت سی باتیں تھیں۔ جنھوں نے دونوں کو ایک دوسرے کا حریف بنا رکھا تھا۔

علی و معاویہ کی پیدائش سے بہت پہلے ہاشم و امیہ کی چشمکیں سرداری و ریاست کے متعلق منظر عام پر آچکی تھیں۔ جس میں امیہ کو شکست فاش نصیب ہوئی اور وہ غضبناک ہو کر شام چلا گیا اور ہاشم مکہ میں بنی عبد مناف کے تنہا سردار رہ گئے تھے۔ بنی امیہ و بنی ہاشم کے درمیان یہ خلیج اسی دن پیدا ہوئی جو برابر پھیلتی ہی گئی۔ بنی امیہ شام کا سہارا لیتے اور بنی ہاشم حجاز کا۔

پھر صورت حال یہ ہوئی کہ حجاز میں ابو سفیان بن حرب بن امیہ کا ستارہ عروج پر آیا اور ہاشمی ریاست کے مقابلہ میں اموی ریاست اسے حاصل ہوئی اور لوگوں کی نگاہیں اس کی طرف بھی اٹھنے لگیں جب پیغمبر اسلام مبعوث برسالت ہوئے اور اسلام روز بروز ترقی ہی کرتا گیا تو ابو سفیان کے دل میں بڑی جلن پیدا ہوئی اس کے دل کو یہ بات کسی طرح گوارا نہ تھی۔ کہ خدا کا آخری نبی بنی ہاشم سے ہو۔ اور اس طرح بنی ہاشم اتنے سربلند ہو جائیں کہ بنی امیہ ان کا مقابلہ ہی نہ کر سکیں۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے پیغمبر اسلام کی بڑے زور و شور سے مخالفت کی۔ آگے چل کر جتنے غزوات ہوئے ان میں شاید ہی کوئی غزوہ ایسا رہا ہو جس میں ابو سفیان نے نمایاں حصہ نہ لیا ہو اور قبائل عرب کو پیغمبر کے مقابل صف بستہ کرنے لڑائی کا ساز و سامان اور مال و زر اکٹھا کرنے کی کوشش نہ کی ہو۔ اتفاقات ایسے پیش آئے۔ کہ پیغمبر سے جنگ کرنے کے لیے بہت دنوں تک قریش کا تن تنہا بلا شرکت

عباس! تمہارے بھتیجے کی بادشاہت تو بڑی زبردست ہوگئی۔

عباس نے کہا "یہ بادشاہت نہیں بلکہ نبوت ہے۔ جیسے تم دیکھ رہے ہو۔

ابوسفیان نے کہا "ہاں اب تو یہی کہنا پڑے گا۔

مکہ فتح ہو جانے پر ابوسفیان بھی مسلمان ہوا اس کا فرزند معاویہ بھی لیکن اس کا اور اس کے گھر والوں کا اسلام دشوار ترین اسلام تھا۔ جو فتح مکہ کے بعد جانا اور پہچانا گیا۔ ابوسفیان کے اسلام لانے کے بعد اس کی بیوی ہندہ دختر عتبہ قریش والوں سے چلا چلا کر کہتی۔

اس خبیث اور گندے انسان کو قتل کر ڈالو جس میں کوئی بھلائی نہیں۔ کتنی بدترین فوج ہے تم لوگوں نے کیوں نہیں جنگ کی اور اپنے شہر اور اپنی جانوں کی حفاظت کی"۔

ابوسفیان اسلام لانے کے بعد مدتوں اسلام کے غلبہ کو اپنی ذاتی شکست سے تعبیر کرتا رہا اسلام کی حقانیت کا خیال نہ تھا بلکہ یہی سمجھتا تھا۔ کہ ہمارے ہی بازوؤں میں کس بل نہیں رہا ایک مرتبہ ابوسفیان نے مسجد میں پیغمبر کو حیران و ششدر انسان کی طرح دیکھا اور اپنے دل میں کہا۔

"کاش مجھے معلوم ہو سکتا کہ آخر کس چیز کی وجہ سے مجھ پر فتحیاب ہوئے۔

پیغمبر سے ابوسفیان کی اس نگاہ کا مطلب مخفی نہ رہ سکا آپ

عمیرے سردار بنا رہا۔ ولید بن مغیرہ، بنی مخزوم کا سردار مرچکا تھا۔ اور قریش کی چھوٹی چھوٹی شاخوں قبیلہ عدیؓ و تیم کے سردار حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے، پیغمبر اسلام اور آپ کے حلقہ بگوش مہاجرین و انصار سے برسرپیکار جاہلی و اموی طاقتوں کا سردار بس لے دے کے یہی ایک ابوسفیان بیچ رہا تھا۔ بنی امیہ کی عداوت کی انتہا اس حد تک جا پہنچی تھی۔ کہ ابولہب جو پیغمبر کا اپنا چچا تھا۔ وہ بھی ابوسفیان ہی جیسا آپ کا دشمن اور آپ کے خون کا پیاسا تھا۔ یہ عداوت اس کی ام جمیل کے سبب تھی۔ جو ابولہب کی بیوی اور ابوسفیان کی بہن تھی۔ جسے قرآن نے حمالۃ الحطب کی لفظ سے ذکر کیا ہے۔

پھر مکہ فتح ہو گیا۔ اب ابوسفیان حسرت کی نگاہوں سے اسلامی لشکر کو دیکھتا تھا۔ اور عباس بن عبد المطلب سے کہتا تھا۔

لہ مورخین کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ قریش کا سلسلہ کس سے شروع ہوا بعض کہتے ہیں کہ فہر کی نسل قریش کہلاتی ہے۔ اس بنا پر عدی و تیم کی شاخیں (حضرت عمرو ابوبکر کا خاندان بھی قریش میں داخل ہے لیکن محققین و مورخین کا مسلک یہ ہے کہ جناب قصی جو فہر کے پوتے پروتے تھے محض انھیں کی اولاد قریش کہلاتی ہے۔ اس نظریہ کی بنا پر عدی و تیم کے قبیلے قریش سے خارج تھے۔ یہی نظریہ عبدالملک بن مروان کا بھی تھا۔ دیکھیے عقد فرید علامہ ابن عبدربہ قرطبی۔ (مترجم)

نے اس کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔

ابوسفیان! میں خدا کی وجہ سے تم پر فتحیاب ہوا۔

جنگ حنین میں اسلامی لشکر کو ابتداءً پسپائی اٹھانی پڑی تھی۔"

ابوسفیان نے یہ پسپائی دیکھ کر کہا۔

"میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ مسلمان، سمندر کے اس پار ہی جا کر ٹھہریں گے۔"

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ شام کی لڑائیوں میں جب ابوسفیان روم والوں کو بڑھتے دیکھتا تو کہتا۔

واہ واہ اے بنی اصفر۔

اور جب انھیں پسپا ہوتے دیکھتا تو کہتا" ہائے بنی اصفر کی تباہی پیغمبر اسلام نے مکہ کے فتح ہونے سے پہلے بھی اور فتح ہونے کے بعد بھی جہاں تک ممکن ہو سکا اس کے تالیف قلب کی کوشش کی فتح مکہ سے پہلے آپ نے اس کی دختر ام حبیبہ سے عقد فرمایا اور فتح مکہ کے بعد ابوسفیان کے گھر کو جائے امن قرار دیا۔ یہ اعلان کرتے ہوئے کہ جو بھی اس گھر میں آجائے اس کی جان و مال کو سلامتی ہے مولفۃ القلوب افراد جنھیں عام مسلمانوں کے مقابلہ میں زیادہ حصہ دیا جاتا تھا۔ کہ شاید اس طرح ان کی تالیف قلب ہو اور اسلام سے انھیں جو کراہت ہے دور ہو جائے۔ ان لوگوں میں پیغمبر نے ابوسفیان کو مقدم کیا اور اس کے ساتھ ہر ممکن رعائتیں برتیں۔

ان سب باتوں کے باوجود مسلمانوں کو اس کی طرف سے اطمینان نہ تھا وہ ہمیشہ اس کی طرف سے محتاط رہتے نہ خاطر میں لاتے نہ اس کے پاس اٹھتے بیٹھتے ابوسفیان کو یہ بات شاق گذری اور اس نے چاہا کہ مسلمانوں کے دل ہماری طرف سے صاف ہو جائیں اس نے پیغمبر سے لجاجت کی کہ معاویہ کو اپنا کاتب بنالیجئے اور مجھے حکم دیجئے۔ کہ میں کافروں سے جاکر جنگ کروں جس طرح میں ابتک مسلمانوں سے جنگ کرتا رہا۔

جب پیغمبر خدا کی رحلت ہو گئی اور خلافت کے متعلق مہاجرین و انصار میں اختلاف رونما ہوا تو ابوسفیان نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور اس نے سوچا کہ میں مسلمانوں کے اس رخنے سے گذر کر قریش کی سرداری کے منصب تک پہونچ سکتا ہوں۔ اور پھر اسی راستہ پوری ملت اسلامیہ کا سردار بن جانا دشوار امر نہیں۔ وہ عباس اور علی کے پاس پہونچا تاکہ انھیں اپنی مدد اور پشت پناہی کا یقین دلاکر برانگیختہ کرے اس نے کہا۔

"اے علی اور اے عباس! یہ خلافت قریش کے ایسے قبیلہ تک کیسے پہونچ گئی۔ (یعنی حضرت ابوبکر کا خاندان) جو ذلیل ترین بھی ہے اور تعداد میں مختصر بھی خدا کی قسم اگر میں چاہوں تو مدینہ کی گلی کوچوں کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں۔

اس میں شک نہیں کہ ابوسفیان کی برہمی اس بناء پر نہ تھی۔ کہ

خلافت بنی ہاشم کے ہاتھ سے نکل گئی نہ وہ بنی ہاشم کے خلافت
پانے پر خوش ہی ہوتا۔ وہ صرف نزاع و خلاف کو ہوا دینا چاہتا تھا۔
تاکہ اموی ریاست کا دروازہ کھل جائے نہ صرف زمام قریش ہی
ابوسفیان کے ہاتھوں میں ہو۔ بلکہ پوری سلطنت اسلامیہ کا
اقتدار بھی۔

علی سے ابوسفیان کا مقصد مخفی نہ رہا آپ نے فرمایا۔
نہیں میں یہ نہیں چاہتا کہ تم ابوبکر کی مخالفت میں مدینہ کے گلی
کوچوں کو سواروں اور پیادوں سے بھر دو۔ اگر ہم ابوبکر کو خلافت
کا سزاوار نہ دیکھتے تو انھیں ہم خلافت پر قابض ہی نہیں ہونے دیتے۔
(عقاد کا یہ فقرہ خلاف واقعہ ہے۔ امیرالمومنین اگر ابوبکر کو خلافت کا
سزاوار ہی پاتے تو بیعت ہی کیوں نہ کر لیتے اس کی نوبت ہی کیوں آتی
کہ عمر، بیعت کے لیے علی کے گلے میں رسیاں ڈال کر مسجد کی طرف لے
جانے کی کوشش کرتے، خانہ سیدہ پر آگ لکڑی اکٹھا کرتے کہ گھر میں
جتنے افراد ہیں وہ باہر نکل کر ابوبکر کی بیعت کریں ورنہ میں اس گھر کو
آگ لگا دوں گا۔ کہنے والے نے کہا بھی کہ اس گھر میں تو فاطمہ ہیں عمر
نے کہا۔ کہ ہیں۔ تو ہوا کریں۔ امیرالمومنین نے ابوسفیان کی ان باتوں
پر جو توجہ نہ دی وہ صرف اس وجہ سے کہ آپ جانتے تھے۔ کہ ابوسفیان
ہماری یا اسلام کی ہمدردی میں ایسا نہیں کہہ رہا ہے بلکہ موقع سے فائدہ
اٹھانا چاہتا ہے آپ نے ابوسفیان سے صرف اتنا کہا کہ تم اسلام

کے ہمد رد کب سے ہو گئے؟ پھر آپ نے ابو سفیان کو سرزنش کرتے ہوئے فرمایا۔

"ابو سفیان۔ مومنین ایک دوسرے کے خیر خواہ ہیں اور منافقین ایک دوسرے سے دغا و فریب کے خوگر ایک دوسرے کے غدار اگرچہ ان کے مکان ملے ہوئے اور جسم باہم متصل ہیں۔

ابو بکر کی خلافت کا زمانہ ختم ہوا عمر کا دور گذرا عام باتیں ایک ڈھنگ پر ہوتی رہیں فسادی اور فتنہ پرور افراد اپنی کمیں گاہوں میں چھپے بیٹھے رہے مارے ڈر کے کسی کو منظر عام پر آنے کی ہمت نہ ہوئی۔

یہاں تک کہ حضرت عثمان مسند نشین خلافت ہوئے بنی امیہ نے اس کو اپنی زبردست کامیابی سمجھا کیونکہ عثمان بنی امیّہ کے چشم و چراغ اور سرداران بنی امیہ کے قریب ترین عزیز تھے۔ اب حکومت اسلامیہ اموی حکومت بن گئی۔ اس کے منافع اور فوائد کی صرف بنی امیہ ہی والے طمع کر سکتے تھے۔ گورنری اور حکومت کے کلیدی عہدے صرف انھیں لوگوں کو مل سکتے تھے۔ جو بنی امیہ سے تھے۔ یا بنی امیہ کے حوالی موالی مروان بن حکم خلیفہ وقت کا وزیر اعظم تھا۔ جو عزیزوں رشتہ داروں کو وظائف و عطایا سے نہال کرتا۔ اور دوسرے لوگوں کو محروم رکھتا تھا۔

معاویہ ابن ابی سفیان شام کا گورنر عزیزوں اور دوستوں کو اپنی طرف کھینچتا اور ان لوگوں کو بھی جن سے مدد کی امید یا جن سے اختلاف کا خطرہ رہتا۔

جب عثمان قتل ہوئے تو اس وقت حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر اور بیت المال کے زر و مال سے فائدہ اٹھانے والے تمام تر بنی امیہ کے افراد تھے یا ان کے ساختہ پرداختہ مقربین۔ حکومت اس وقت پوری طرح بنی امیہ کی طرف مائل تھی، قریشی غیر قریشی بھی اس کی عنایتوں سے محروم تھے۔

اس کے بعد جتنے واقعات رونما ہوئے ان کا انجام ابتدا ہی سے معلوم تھا۔ علی ابن ابی طالب ناگہانی طور پر شہید ہوئے اور معاویہ بن ابی سفیان کی حکومت کے لیے راستہ صاف ہو گیا۔

پھر اہل عراق و فارس نے حسن بن علی کی بیعت کی مگر ان کے معاملات حسن کے لیے استوار نہ ہو سکے۔ بات بات میں ان کی مخالفت ضد اور ہٹ دھرمی سے حسن کا سینہ تنگی کیا کرتا تھا۔ حسن ایک خاموش طبیعت کے انسان تھے نزاع و جدال کو ناپسند کرتے اور گوشہ نشینی کی طرف مائل تھے انھوں نے چند شرائط پر معاویہ سے صلح کر لی معاویہ نے بعض شرائط پوری کیں لیکن بعض کو ٹال گئے۔ مزید برآں انھوں نے یہ حرکت کی جیسا کہ بعض روائتیں بتاتی ہیں کہ انھوں نے امام حسنؑ کی بیوی جعدہ بنت اشعث کو اس بات پر ورغلایا کہ وہ امام حسن کو زہر دے دے اس سے وعدہ کیا کہ ہم اپنے بیٹے یزید سے تیرا نکاح کر دیں گے اور ایک لاکھ درہم نقد دیں گے۔ معاویہ نے درہم تو بھجوا دیئے مگر یزید سے نکاح والا وعدہ پورا نہ کیا۔

امام حسن نے وصیت کی کہ مجھے میرے نانا کی قبر کے پاس دفن کیا جائے۔ ہاں اگر فتنہ و فساد کا اندیشہ ہو تو ایسا نہ کیا جائے۔ جب امام حسن انتقال کر گئے تو لوگوں نے چاہا کہ حسب وصیت، رسول کے پہلو میں دفن کریں مروان بن حکم اٹھ کھڑا ہوا اس نے بنی امیہ اور ان کے ساتھیوں کو اکٹھا کیا اور دفن سے مانع ہوا۔ امام حسین یہ بات برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ کہ جگر گوشہ رسول کو ان کے پہلو میں دفن نہ ہونے دیا جائے۔ مگر لوگوں نے آپ سے کہا کہ آپ کے بھائی کہہ چکے ہیں کہ جب تمہیں فتنہ کا خوف ہو تو مسلمانوں کے قبرستان میں بہت گنجائش ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس وقت پورے فتنہ و فساد کی صورت ہے۔ امام حسین تلخ گھونٹ پی کر رہ گئے۔ اور قبرستان بقیع میں میت سپرد خاک کی۔

معاویہ کے ارادے

اس میں کوئی شک نہیں کہ معاویہ اس حکومت کو خاندانی حکومت بنانے کے عرصہ سے متمنی تھے اسی دن سے جس دن سے کہ وہ مسند حکومت پر قابض ہوئے اور اپنے حریفوں سے میدان انھوں نے خالی پایا۔ البتہ وہ متردد تھے زبان سے اس کو ظاہر نہ کرتے تھے اپنے خاص خاص مقربین بارگاہ پر بھی انھوں نے اپنے اس ارادہ کو ظاہر نہ کیا تھا۔ پھر ان کا سن زیادہ ہو گیا۔ اور ڈرے کہ کہیں ایسا نہ ہو ہماری

تمنائیں دھری رہ جائیں اور موت کا بلاوا آپہونچے۔ انھوں نے اپنے
بیٹے یزید کی بیعت کی تیاریاں کیں اور جتنے ممکن وسیلے ہو سکتے تھے۔
ان سے کام لیا شام والوں نے لبیک کہی اور یزید کی بیعت کرلی۔
انھوں نے دیگر ممالک کے حکام کو بھی بیعت کے لیے لکھا۔ انھیں سب
سے زیادہ فکر حجاز کی طرف سے لاحق تھی۔ انھوں نے حاکم مدینہ مروان
کو خط لکھا کہ تم اپنے ہاں کے لوگوں کو اکٹھا کرکے ان سے یزید کی بیعت
لو۔ مروان بہت برہم ہوا اس نے رؤساء قریش کو بھی بھڑکایا کہ تم لوگ
بھی انکار کردو۔ یہ مروان خود خلافت کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اسے توقع
تھی کہ معاویہ کے بعد یہ خلافت میرے ہاتھ آئے گی۔ میں یزید سے
زیادہ اس کی صلاحیت رکھتا ہوں۔ کیونکہ یزید لہو ولعب فسق و فجور
میں کافی بدنام تھا۔ معاویہ نے مروان کو معزول کردیا اور اس کی جگہ
سعید بن عاص کو گورنر مقرر کیا۔ اب بھی کسی نے معاویہ کی حامی نہ
بھری نہ کوئی بیعت کرنے پر آمادہ ہوا۔

معاویہ نے عبداللہ بن عباس۔ عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن
جعفر اور حسین ابن علی کو فرداً فرداً خطوط لکھے اور عامل مدینہ کو تاکید
کی کہ اپنے ہاتھ سے یہ خطوط ان لوگوں تک پہونچاؤ اور ان سب
سے جوابات لے کر مجھے روانہ کرو معاویہ نے سعید کو لکھا۔

تم نے لوگوں کے توقف و تامل کا جو ذکر کیا میں اسے سمجھا۔ میں
نے ان لوگوں کے اکابر و معززین کو چند خطوط لکھے ہیں تم یہ خط ان

کو پہونچاؤ۔ تم اپنا عزم محکم اور نیت اچھی رکھو اور اس بات کا خیال رہے کہ گورنری ہاتھ سے جانے نہ پائے حسینؑ کا خصوصی لحاظ کرنا انھیں تمہاری طرف سے کوئی ناگوار بات نہ دیکھنے میں آئے۔ انھیں رشتہ داری بھی حاصل ہے اور ان کا حق بھی بڑا ہے۔ جس کا کوئی مسلمان مرد یا مسلمان عورت انکار نہیں کر سکتی اور وہ شیر بیشہ ہیں۔ اگر تم نے ان سے چال بازی کی تو تم جیت نہ پاؤ گے۔

سعید بن عاص نے بہت جد و جہد کی مگر وہ نہ عوام الناس کو یزید کی اس ذلیل و ناپسندیدہ بیعت پر آمادہ کر سکا نہ معززین و اشراف کو۔ معاویہ لشکر اور بہت سا زر و مال لے کر مکہ چل کھڑے ہوئے۔

یہاں پہونچ کر انھوں نے ان مذکورہ بالا اکابر کو بلا کر کہا

"میرا جیسا اچھا برتاؤ آپ حضرات کے ساتھ رہا ہے اور رشتہ داری و قرابت کا جس قدر میں پاس و لحاظ کرتا آیا ہوں اس کا آپ لوگوں کو پوری طرح اندازہ رہا ہے یزید آپ کا بھائی اور آپ کے چچا کا بیٹا ہے میری خواہش ہے کہ آپ لوگ یزید کا خلیفہ ہونا منظور کر لیں اور آپ ہی حضرات حکومت کے کرتا دھرتا ہوں جس کو چاہیں۔ عامل مقرر کریں۔ جس کو چاہیں معزول کریں آپ ہی مال خراج اکٹھا کریں آپ ہی خرچ کریں۔

عبد اللہ بن زبیر نے جواب میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔

یا تو آپ ویسا کیجئے جیسا رسول اللہ نے کیا تھا۔ رسول اللہ کسی

کو خلیفہ مقرر کر کے نہیں گئے آپ بھی کسی کو خلیفہ مقرر نہ کیجئے یا ویسا کیجئے جیسا ابو بکر نے کیا تھا۔ انھوں نے اپنا جانشین ایسے شخص کو بنایا جو ان کے خاندان سے نہ تھا یا ویسا کیجئے جیسا عمر نے کیا وہ خلافت کو چھ آدمیوں کے شوریٰ پر چھوڑ گئے۔ جن میں نہ کوئی ان کا فرزند تھا۔ نہ ان کے خاندان کا۔

معاویہ نے غضب ناک ہو کر کہا۔ تمہارے پاس اس کے علاوہ اور کچھ نہیں معاویہ دوسرے لوگوں کی طرف مڑے ”اور تم لوگ کیا کہتے ہو؟ ان سب نے ابن زبیر کی تائید کی۔ معاویہ نے دھمکاتے ہوئے کہا۔

”میں اتمام حجت کر چکا۔ ابتک یہ طریقہ رہا کہ جب میں تقریر کرتا تو تم میں سے کوئی اٹھنے والا اٹھتا اور مجمع عام میں میری تکذیب کرتا میں برداشت کرتا اور درگذر کر دیتا اب میں اس وقت تقریر کرنے جا رہا ہوں۔ خدا کی قسم اگر تم میں سے کسی نے بھی میری تردید میں ایک فقرہ بھی کہا۔ تو قبل اس کے کہ دوسرا فقرہ اس کی زبان سے نکلے تلوار اس کے سر پر پہونچ چکی ہو گی لہذا تم لوگ اپنی جانوں کی سلامتی مناؤ۔

پھر انھوں نے اپنے افسر پولیس کو حکم دیا کہ ان لوگوں میں سے ہر شخص کے سر پر دو شخص کھڑے کر دو جن کے ہاتھ میں تلواریں ہوں۔ اگر ان میں سے ایک شخص بھی منھ سے بات نکالے چاہے

تردید میں چاہے تصدیق میں اس کی گردن یہ دو نوں شخص اڑادیں۔

پھر معاویہ ان لوگوں کو لے کر مسجد میں گئے اور منبر پر جاکر تقریر کرتے ہوئے کہا۔

یہ حضرات مسلمانوں کے سردار اور منتخب افراد ہیں کوئی بات ان کے بغیر طے نہیں پاتی نہ کوئی کام بغیر ان کے مشورہ کے ہو سکتا ہے یہ لوگ راضی ہو گئے ہیں اور انھوں نے یزید کی بیعت کرلی ہے تم سب لوگ خدا کا نام لے کر یزید کی بیعت کرو۔

لوگوں نے بیعت کرلی ــــــ اس طرح حجاز میں یزید کی بیعت ہوئی۔؟

معاویہ انتقال کر گئے۔ مگر انھیں اس بات کا پوری طرح احساس تھا کہ اس قسم کی بیعت نہ تو جائز ہی ہے اور نہ اس کا انجام ہی ٹھیک ہوگا۔ انھوں نے اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے کہا۔

مجھے اور کسی طرف سے اندیشہ نہیں جو کچھ اندیشہ ہے قریش کے انھیں اکابر کی طرف سے ہے۔ حسین بن علی عبداللہ بن عمر عبداللہ بن زبیر۔

انھوں نے کہا کہ عبداللہ بن عمر کو تو عبادۃ نے گھلا دیا ہے جب ہر شخص تمہاری بیعت کرلے گا تو وہ بھی بیعت کرلیں گے۔ حسین کے متعلق میرا خیال ہے کہ عراق والے انھیں چھوڑنے کے نہیں انھیں ضرور خروج کرنے پر مجبور کریں گے۔ اگر وہ تمہارے خلاف خروج

کریں اور تم ان پر فتحیاب ہو تو ان سے درگذر کرنا کیونکہ ان سے قریبی رشتہ داری ہے اور ان کا بہت بڑا حق ہے۔ رہ گئے ابن زبیر تو وہ بڑے خطرناک اور دھوکہ باز ہیں۔ جیسے ہی موقع ہاتھ لگے گا۔ حملہ کر بیٹھیں گے۔ اگر وہ ایسا کریں اور تمہیں ان پر فتحیابی نصیب ہو تو ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنا سوا اس کے کہ وہ صلح کی خواہش کریں۔ اگر ایسا ہو تو ان کی درخواست قبول کرنا اور حتی الامکان اپنی قوم کا خون نہ بہنے دینا۔

یزید کی خلافت

اس طرح ۶۰ھ میں حکومت یزید تک منتقل ہوئی اس کی عمر ۳۴ یا ۳۵ برس کی تھی۔ لیکن وہ اپنے ہم سروں جیسا تجربہ کار نہ تھا۔ نہ اس کے باپ کی طرح اس کے ارد گرد مغیرہ بن شعبہ۔ زیاد۔ عمرو عاص جیسے خیر خواہ اور مشورہ دینے والے تھے۔ کہ کسی اقدام کرنے میں اسے جھجک ہوتی اس نے عامل مدینہ ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو خط لکھا کہ حسین و عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن زبیر سے پوری سختی کے ساتھ بیعت لو ذرا بھی ڈھیل نہ دو جب تک وہ بیعت نہ کر لیں۔

ولید نے مروان بن حکم سے مشورہ لیا۔ مروان خود خلافت کا متمنی تھا۔ لیکن معاویہ کے مرنے اور یزید کے تخت سلطنت پر متمکن ہونے کے بعد اسے اندازہ ہوا کہ حکومت اس وقت بنی امیہ کی ہے۔ اگر بنی امیہ

سے حکومت نکلی تو پورے بنی امیہ سے نکلے گی اسی لیے اس نے ولید کو دور خی نصیحت کی ظاہری حیثیت سے تو اس نے یزید کی زبردست تائید کی کہ ان لوگوں سے ضرور بیعت لی جائے اور باطناً اس نے کوشش کی کہ یزید سے بھی چھٹکارا ہو جائے۔ اور اس کے حریفوں سے بھی اس نے کہا۔

"میری رائے یہ ہے کہ تم اسی وقت ان لوگوں کو یزید کی بیعت کا پیغام بھیجو۔ ابن عمر تو جنگ و جدال پر آمادہ نہ ہوں گے البتہ حسین اور عبداللہ بن زبیر کا خیال رکھنا ہوگا۔ اگر یہ دونوں بیعت کرلیں تب تو ٹھیک ہے۔ ورنہ فوراً ان کی گردن اڑا دینا۔

حسین اور ابن زبیر کی گردن اڑا دینے کا مطلب یہ تھا۔ کہ یزید کے سب سے بڑے حریف یہی دو آدمی تھے۔ ان سے چھٹکارا پانے کے بعد لوگوں کو یزید کے خلاف برانگیختہ کر کے اس سے بھی چھٹکارا حاصل کر لیا جائے گا۔

ولید کا قاصد حسین اور ابن زبیر کی تلاش میں نکلا یہ دونوں حضرات مسجد میں تھے حسین نے تو پیغام سنتے ہی سمجھ لیا کہ کس لیے طلبی ہے انھوں نے دوستوں رشتہ داروں سے کچھ لوگوں کو اکٹھا کیا سب کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں حسین نے ولید کے مکان میں داخل ہوتے وقت ان سے کہا اگر میں تم لوگوں کو پکاروں یا تم میری آواز بلند ہوتے سننا تو دراتہ گھر میں گھس پڑنا ورنہ اپنی

جگہ کھڑے رہنا جب تک میں واپس نہ آؤں۔

جب ولید نے یزید کی بیعت آپ کے سامنے پیش کی تو آپ نے فرمایا میرے ایسا آدمی مخفی طور پر بیعت نہیں کیا کرتا اور میرا خیال ہے کہ تم بھی مخفی طور پر میری بیعت کرنے کو پسند نہ کرو گے۔ ولید نے کہا۔ جی ہاں۔ حسینؑ نے کہا جس دن تم سب لوگوں سے بیعت لینا اسی دن ہم سے بھی بیعت لے لینا ایک ہی بات ہوگی۔

پھر حسینؑ واپس ہو گئے۔ مروان غیظ و غضب کے عالم میں خاموش بیٹھا تھا۔ ایک لفظ بھی نہ بولا مگر جیسے ہی حسینؑ آنکھوں سے اوجھل ہوئے اس نے ولید سے چیخ کر کہا۔

تم نے میری بات نہ مانی اس وقت جیسا قابو تمھارا حسینؑ پر تھا پھر کبھی ویسا قابو نہ پاؤ گے۔ حسینؑ اس وقت تک تمہارے قابو میں نہ آئیں گے جب تک تمہارے اور ان کے درمیان بے شمار افراد قتل نہ ہو جائیں۔

ولید نے مروان کو جھڑک دیا اور کہا تم مجھے حسینؑ کے قتل کا مشورہ دیتے ہو خدا کی قسم وہ شخص جس سے بروز قیامت حسینؑ کے خون کا حساب لیا جائے گا۔ وہ خدا کے نزدیک بہت ہی گھاٹے میں ہوگا۔

اس طرح بنی امیہ و بنی ہاشم کی باہمی رقابت و چشمک ایک ایسے دور راہے تک جا پہونچی جہاں دونوں کے ملنے ملانے کا کوئی امکان

ہی نہ تھا۔ یہ رقابت کئی پشتوں سے جاری تھی بیچ میں کبھی منقطع نہ ہوئی اگرچہ عہد پیغمبر اور عہد ابی بکر و عمر میں اسلام نے اس رقابت کو زیر کر لیا تھا۔ مگر ایسا کبھی نہ ہوا کہ یہ بالکل ختم ہو گئی ہو۔

یہ اسلام کی کرشمہ نمائی تھی کہ اس نے قبائلی عصبیت کو عقائد مذہبی کے ذریعہ اس طرح قابو میں کر لیا تھا کہ کسی کو علانیہ مخالفت کی ہمت نہ رہی لیکن عصبیت کی یہ کجلائی ہوئی چنگاری بالکل ہی نیست و نابود نہ ہو گئی تھی بلکہ موجود تھی اور اسلام کی اتنی شدید و طویل ریاضت کے باوجود کبھی کبھی یہ آتش عصبیت بھڑک ہی اٹھتی تھی۔

بارہا ایسا ہوا کہ پیغمبر کی موجودگی میں کبار صحابہ میں نزاع و تکرار ہوئی اور اس نزاع و تکرار میں عصبیت منظر عام پر آ گئی۔ فتح مکہ کے دن جب عباس عم پیغمبر، ابوسفیان کو اپنے ساتھ پیغمبر کی خدمت میں معافی کے لیے لائے اور عمر بن خطاب نے پیغمبر کو مشورہ دیا کہ اسے قتل کر دیا جائے تو عباس نے کہا تھا۔

"عمر اپنی جگہ بیٹھو۔ خدا کی قسم اگر یہ ابوسفیان قبیلہ عدی کا خاندان عمر اسے ہوتا تو تم کبھی ایسی بات نہ کہتے لیکن ابوسفیان عبد مناف کی نسل سے ہے اسی لیے تم ایسا کہہ رہے ہو۔ حضرت عائشہ پر جس زمانہ میں تہمت لگائی گئی تھی۔ اور اسید ابن خضیر تل گئے تھے کہ افترا پردازوں کی گردن اڑا دیں تو سعد ابن عبادہ نے چیخ کر کہا تھا۔

اسید تم جھوٹے ہو تمہاری یہ مجال نہیں کہ تم ان کی گردن مار سکو خدا

کی قسم تم نے یہ جانتے ہوئے کہ یہ افترا پرداز قبیلہ خزرج کے ہیں۔ گردن مارنے کی بات زبان سے نکالی اگر یہ افترا پرداز قبیلہ اوس تمہارے خاندان سے ہوتے تو تم کبھی ایسی بات زبان سے نہ نکالتے۔

(اسید بن حضیر قبیلہ اوس سے تھے اور سعد بن عبادہ قبیلہ خزرج سے حضرت عائشہ کو متہم کرنیوالوں میں کچھ قبیلہ خزرج کے منافق شریک تھے۔)

عمر فاروق نے مرتے وقت علی کو وصیت کرتے ہوئے کہا۔

علی اگر تم حاکم ہو جاؤ تو خدا سے ڈرنا اور بنی ہاشم کو مسلمانوں کی گردن پر سوار نہ کرنا"

پھر عثمان کی طرف مڑ کر کہا۔

اگر تم حاکم ہونا تو تم بنی امیہ کو مسلمانوں کی گردنوں پر سوار نہ کرنا۔

طرفہ تماشا یہ کہ عصبیت کے خلاف اسلام کی اسی شدید جنگ سے بنی امیہ نے کافی فائدہ اٹھایا انھوں نے اسی کو بنی ہاشم کے خلاف حجت قرار دے کر اپنی عصبیت کو فروغ دیا۔ ان کا کہنا تھا پیغمبر کے بنی ہاشم سے ہونے کی وجہ سے یہ ضروری نہیں کہ حکومت بھی انھیں بنی ہاشم میں منحصر ہو۔ اور یہ کہ انبیاء کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے۔ اور جب یہ دلیل بنی ہاشم کے خلاف مسلم ہو گئی۔ وہ خلافت سے محروم ہو گئے تو اب ان کے بعد عبد مناف کی شاخوں میں بنی امیہ ہی ایسے تھے جو اس حکومت سے فائدہ اٹھانے پر زیادہ قدرت رکھتے تھے۔

معاویہ کے عہد میں حالات نے ایسی صورت پیدا کی کہ اس چشمک و رقابت میں کچھ نرمی سے کام لیا جائے۔ چنانچہ معاویہ علی کی اولاد کے ساتھ شیریں کلامی سے پیش آتے ان کے پاس تحفے ہدایا بھیجتے حسن سلوک کرتے لیکن وہ علی کی اولاد کے ساتھ حسن سلوک پر بھی مجبور تھے۔ اور اس پر بھی مجبور کہ وہ علی کی منقصت اور اہانت کریں گویا اس طرح وہ ایک ہی وقت میں دو متضاد چیزوں پر مجبور تھے۔

وہ بادشاہ بن بیٹھے پھر انھوں نے اس بادشاہت کے لیے یزید کی بیعت لی مگر انھیں اچھی طرح یقین تھا کہ ہم اسلحے اور مال و دولت کے ذریعہ تو غالب آ گئے ہیں۔ مگر شہرت و نیکنامی میں مغلوب ہیں۔ عوام الناس علی کو معاویہ پر ترجیح دیتے ہیں اور معاویہ نہ تو اس پر قادر تھے کہ پیغمبر کے رشتہ کے سبب علی پر فوقیت لے جا سکیں نہ سابقیت اسلام کے ذریعہ نہ کریم النسب ہونے کی جہت سے لہٰذا معاویہ نے نہ تو علی کے نسب سے تعرض کیا نہ ان کی سابقیت سے بلکہ ان کی ذات و شخصیت کو تاکا اور انھیں تہمت لگائی کہ علیؑ نے مسلمانوں کے اتحاد و یک جہتی کو برباد کر دیا۔ انھوں نے لوگوں کو حکم دیا کہ منبروں پر علی کو برا بھلا کہیں ــــ غرض یہ تھی کہ علی کی وہ منزلت جس کے سبب معاویہ مغلوب تھے کمزور ہو جائے اس بات کے وہ اتنا پیچھے پڑے کہ انھوں نے ایسے لوگوں کو نہ تیغ کر ڈالا جنھوں نے علی پر لعن کرنے اور انھیں متہم کرنے میں معاویہ کی اطاعت نہ کی انھوں نے امام حسنؑ کے

شرائط صلح میں سے اس شرط کو کبھی قبول نہ کیا کہ علی پر سب و شتم بند کیا جائے معاویہ باوجود اتنے زیرک و دانا ہونے کے یہ حقیقت نہ سمجھ سکے کہ علی کی شہرت و نیک نامی سے جنگ کر کے انھوں نے اپنی ہی نیک نامی خاک میں ملادی بجائے اس کے کہ علی لوگوں کی نگاہوں سے گریں وہ خود نگاہوں سے گر گئے۔

معلوم ہوتا ہے جیسے یہ پشتہا پشت کی رقابت و چشمک جس کی جڑیں انتہائی گہرائیوں تک پہونچی ہوئی تھیں تاریخ کے قصہ نگاروں کے نزدیک کافی نہ تھیں۔ بہت سے ثقہ مورخین نے ایک اور قصہ اس رقابت و چشمک کے متعلق اضافہ کیا ہے۔ جو بجائے خود دونوں میں نفرت پیدا کرنے کے لیے کافی ہے وہ قصہ زینب بنتِ اسحاق سے امام حسین کے عقد فرمانے کا ہے۔ جس پر یزید جی جان سے عاشق تھا اور اس کے فراق میں اس کا دم نکلا جا رہا تھا۔

یہ زینب جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ اپنے زمانہ کی حسین ترین عورتوں میں سے تھی۔ یہ عبداللہ بن سلام قرشی کی بیوی تھی جو معاویہ کی طرف سے عراق کا حاکم تھا۔ یزید اس کی محبت میں گرفتار ہوا۔ اور اس نے اپنی محبت اپنے عزیزوں سے بھی مخفی رکھی۔ قصر کے کسی خواجہ سرا نے یہ بھید ظاہر کر دیا۔ جب معاویہ کو یزید کی اس بیماری کا سبب معلوم ہوا تو انھوں نے عبداللہ بن سلام کو بلانے کے لیے قاصد بھیجا اور

ابوہریرہ اور ابودردا صحابیان پیغمبر کو بلا کر کہا کہ میری ایک دختر ہے
میں اس کی شادی کرنا چاہتا ہوں۔ مگر وہ سوا عبد اللہ بن سلام کے
کسی اور سے شادی کرنے پر آمادہ نہیں بسبب اس کی دینداری و فضل
و شرف اور ہمارے حضور مقرب ہونے کے۔ عبد اللہ بن سلام کو جب
یہ خبر ملی تو وہ فریب میں آگیا اس نے معاویہ کو شادی کا پیام دے دیا
معاملہ ابوہریرہ کے ہاتھوں میں سونپا کہ وہی جا کر معاویہ کی دختر کو عبد اللہ
کا پیام پہونچائیں۔ اور اس کا جواب لائیں۔ معاویہ نے بیٹی کو پہلے ہی
سے سکھا پڑھا دیا تھا۔ چنانچہ بیٹی نے باپ کی ہدایت کے مطابق،
ابوہریرہ کو جواب دیا کہ آپ لوگوں نے جو شوہر تجویز کیا ہے۔ اس سے
میں انکار نہیں کر سکتی۔ لیکن سوکن کی برداشت مجھ میں نہیں میں ڈرتی ہوں
کہ کہیں مجھ سے ایسی حرکتیں سرزد نہ ہو جائیں جو خدا کے غضب کا
باعث ہوں۔ ابن سلام نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی اور معاویہ
سے وعدہ پورا کرنے کا طالب ہوا معاویہ نے عبد اللہ کا مذاق اڑایا
اور بیٹی کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا کہ ایسے آدمی کا کیا بھروسہ جو اپنی
بیوی کو طلاق دیدے ایسی بیوی جو اس کی چچازاد بہن بھی ہے اور
اپنے زمانہ کی تمام عورتوں سے زیادہ خوب صورت بھی۔

کہا جاتا ہے کہ امام حسین نے اس دھوکہ بازی کی خبر سن کر
ابوہریرہ سے کہا کہ زینب کو ہماری طرف سے بھی پیام دیدینا۔ ابوہریرہ
نے زینب سے کہا۔ عبد اللہ نے طلاق دیدی تو کیسا ہوا عبد اللہ سے

بہتر بہت سے افراد تمہارے خواستگار ہیں۔ زینب نے پوچھا وہ کون کہا یزید بن معاویہ اور حسین بن علی تم ان دونوں کو اچھی طرح جانتی ہو۔ زینب نے ابوہریرہ سے مشورہ لیا کہ میں کس کو قبول کروں۔

ابوہریرہ نے کہا۔ حسین سے بڑھ کر کون ہوسکتا ہے۔ حسین کے لب پیغمبر چومتے تھے تم اپنے لب ان ہونٹوں پر رکھو گی جن پر پیغمبر اپنے لب رکھ چکے ہیں۔ زینب نے کہا۔ تو میں حسین کے مقابلہ میں کسی دوسرے کو قبول نہ کروں گی۔ وہ پیغمبر کی خوشبو ہیں۔ اور سردار جوانان جنت ہیں۔

معاویہ اس خبر سے تلملا کر رہ گئے امام حسین نے فوراً ہی زینب کو پھر عبداللہ کے حوالے کردیا یہ کہہ کر کہ میں نے زینب سے نکاح نہ تو اس کے مال کی لالچ میں کیا نہ اس کے جمال کی طمع میں صرف اس لیے کیا کہ وہ پھر اپنے شوہر یعنی تمہارے لیے حلال ہو جائے۔

اگر یہ قصہ صحیح ہو تو اس میں شک نہیں کہ اس واقعہ نے ان دونوں شخصوں یزید اور حسین کی باہمی عداوت و عناد کی رہی سہی کسر پوری کردی ہوگی اور یزید نے تخت حکومت پر آنے کے دن ہی اس جھگڑے کے چکانے کا تہیہ کرلیا ہوگا۔

حسینؑ اور یزید

حسینؑ اور یزید

مقریزی نے بنی ہاشم اور بنی امیہ کی باہمی رقابت و خصومت کو دو شعروں میں خلاصہ کر کے بیان کر دیا ہے۔

عبد شمس قد اضرمت لبنی ها
شم حربا یشیب منها الولید
فابن حرب للمصطفیٰ وابن هند
لعلی، وللحسین یزید

عبد شمس نے بنی ہاشم کے لیے لڑائی کی ایسی آگ بھڑکائی (جو مدتوں بجھنے والی نہیں یہاں تک کہ) شیر خوار بچے بوڑھے ہو جائیں۔ چنانچہ ابو سفیان بن حرب حضرت محمد مصطفیٰ کا دشمن اور یزید حسین کا دشمن رہا۔ ہم آگے چل کر ان دونوں خاندانوں کے افراد کا

موازنہ کریں گے۔ یہاں ہم صرف ان دونوں برسرِ پیکار حریفوں۔ ہاشم و عبد شمس کا موازنہ کرتے ہیں۔ جو حسین اور یزید کی شخصیت میں منظر عام پر آئے حسین اپنے وقت کے ہاشم تھے اور یزید اپنے وقت کا عبد شمس تھا۔ جس معیار پر بھی ان دونوں کو کس کر دیکھا جائے اس کا کوئی سوال ہی نہ پیدا ہوگا کہ کون کس سے بہتر تھا۔

ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک کوئی ایسا شخص جیسے ناکام ہی ہونا سزاوار تھا کامیاب نہ ہوا ہوگا جیسا یزید بن معاویہ حسین سے جنگ میں کامیاب ہوا اور نہ کبھی آج تک ایسے دو شخص برسرِ پیکار ہوئے ہوں گے۔ جس میں ایک کو دوسرے پر نمایاں اور بیش از بیش فضیلت و شرف حاصل رہا ہو۔ جیسے کہ حسین و یزید برسرِ پیکار ہوئے۔

بنی ہاشم و بنی امیہ ایک ہی شاخ سے تھے دونوں ہی عبد مناف کی اولاد اور قریش کے قبیلہ سے تھے۔ لیکن یہ دونوں خاندان ایک شاخ سے ہونے کے باوجود مزاج میں بھی جداگانہ تھے اور اخلاق میں بھی بنی ہاشم عام طور پر مہربان طبیعت اور مثالی انسان تھے خصوصیت کے ساتھ اولاد فاطمۃ الزہرا اور بنی امیہ عام طور پر نفع پرست اور مطلبی انسان تھے خصوصیت کے ساتھ عبد شمس کی اولاد ایک شاخ سے ہونے کے باوجود ان دونوں میں زمین آسمان کا تفرقہ ایسی چیز نہیں جو سمجھ میں نہ آئے ایک ہی گھر کے دو بھائی اخلاق و اعمال میں

بسا اوقات اتنا ہی جداگانہ ہوتے ہیں جتنا کہ مختلف رنگ و نسل اور ملک و قوم کے دو اجنبی انسان۔

یہ حقیقت و واقعہ ہے کہ عبدالمطلب و امیہ حقیقی چچازاد بھائی ہونے کے باوجود سر سے پیر تک ایک دوسرے سے مختلف تھے حتیٰ کہ شکل و صورت قد و قامت اور چہرہ مہرہ میں بھی۔

امیہ کی نسل کے متعلق ایک بہت بڑا شبہ ہے جس کی طرف ہم صرف اشارہ کیے دیتے ہیں۔ تصریح سے کام نہ لیں گے۔

دغفل نسابہ (جو اہل عرب کے انساب سے واقفیت میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔) معاویہ کے دربار میں آیا۔ معاویہ نے پوچھا۔

بزرگان قریش سے تم نے کس کس کو دیکھا ہے؟

دغفل:۔ میں نے عبدالمطلب بن ہاشم کو بھی دیکھا اور امیہ بن عبد شمس کو بھی۔

معاویہ:۔ ان دونوں کی تعریف مجھ سے بیان کرو۔

دغفل:۔ عبدالمطلب گورے رنگ دراز قامت حسین چہرہ کے انسان تھے ان کو پیشانی میں نبوت کا نور اور سلطنت و بادشاہت کا وقار تھا، ان کے دس بیٹے ان کا حلقہ کیے رہتے اور وہ بیٹے معلوم ہوتا تھا کہ شیران بیشہ ہیں۔

معاویہ:۔ اچھا اب امیہ کو بتاؤ وہ کیسے تھے۔

دغفل :- میں نے امیہ کو دیکھا کہ وہ پستہ قد بوڑھا انسان تھا۔ لاغر جسم آنکھوں سے معذور جیسے اس کا غلام ذکوان ہاتھ پکڑے لیے پھرتا تھا۔

معاویہ :- کیا کہتے ہو۔ ذکوان امیہ کا غلام نہیں ان کا بیٹا ابو عمر تھا۔

دغفل :- یہ تو تم لوگ بعد میں کہنے لگے میں نے تو وہی کہا۔ جو میں جانتا تھا۔

ہیثم بن عدی نے اپنی کتاب المثالب میں لکھا ہے کہ ابو عمرو بن امیہ اصل میں امیہ کا غلام تھا جس کا نام ذکوان تھا بعد میں امیہ نے اسے اپنا بیٹا بنالیا۔

ابو الفرج اصبہانی جو خود بھی اموی خاندان سے تھا اس نے بھی اس قول کو لکھا ہے اور اس پر کسی قسم کی تنقید، یا تغلیط نہیں کی بنی ہاشم و بنی امیہ کے فضل و مکارم کا فرق اسلام آنے سے بہت پہلے زمانۂ جاہلیت ہی سے ظاہر تھا۔ بنی ہاشم مظلوم کی حمایت پر بہت جلد کمربستہ ہو جاتے حق کی اعانت و نصرت کو دوڑ پڑتے، بنی امیہ ایسے نہیں تھے اسی وجہ سے وہ حلف الفضول میں شریک نہیں ہوئے جس کی تحریک کا سہرا بنی ہاشم اور ان کے حلیفوں کے سر ہے یہ وہ معاہدہ تھا۔ جس پر قریش کے منتخب سرداروں نے باہم قول و قرار کیا وہ یہ کہ ہم مظلوم کی حمایت کریں گے تاوقتیکہ اس کا حق نہ مل جائے ہم روزگار و معاش میں ایکدوسرے کے مددگار رہیں گے۔ قوی کو کمزور پر ظلم کرنے سے باز رکھیں گے۔ شہری کو مسافر پر زیادتی کرنے سے

رکھیں گے۔ بنی ہاشم اور ان کے حلیفوں نے اس معاہدہ پر اتفاق کیا اس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ عاص بن وائل نے قبیلہ زبید کے ایک شخص سے کچھ چیزیں خریدیں اور قیمت ہضم کر جانی چاہی ان لوگوں نے اس اجنبی کی مدد کی اور عاص کو اس کے قرشی ہونے کے باوجود مجبور کیا کہ اس کا حق دے دے۔

جب عبدالمطلب اور حرب بن امیہ نفیل بن عدی کے پاس مفاخرت کے لیے (یہ طے کرانے کے لیے کہ ہم میں سے کون زیادہ صاحب فضیلت و بزرگی ہے) گئے تو نفیل نے عبدالمطلب کے حق میں اپنا فیصلہ دیا اور حرب سے کہا ؎

ابوک معاھر وابوہ عف
وذاد الفیل عن بلد الحرام

تیرا باپ بدکار تھا۔ اور ان کا باپ پاک دامن انھیں عبدالمطلب نے شہر حرام مکہ معظمہ سے ابرہہ کے لشکر کو دفع کیا۔

نفیل نے امیہ کو صاف صاف لفظوں میں معاہر بدکار کہا۔ کیونکہ وہ عورتوں کو چھیڑا کرتا ایک مرتبہ تلوار کی ضرب بھی اس پر پڑی تھی۔ کیونکہ بنی زہرہ کی کسی عورت کو چھیڑ بیٹھا تھا اور لاد اور بیویوں میں اس امیہ نے عجیب عجیب تصرفات کیے ہیں۔ اس نے اپنے غلام ذکوان کو اپنا بیٹا بنا لیا پھر اپنی زندگی ہی میں اپنی بیوی اس سے بیاہ دی۔ جاہلیت کے سرداروں میں کوئی بھی ایسا سردار نہیں گذرا جس نے

ایسی حرکت کی ہو۔

عادت و تربیت میں اختلاف

ہم طبیعتوں کے اختلاف اور نسبی خرابیوں سے قطع نظر کر کے عادت و تربیت کے اختلاف کا جائزہ لیتے ہیں ساتھ ہی جسمانی فرق کا بھی ذکر کریں گے۔ یہی دونوں چیزیں بنی ہاشم اور بنی امیہ کے فرق کو ظاہر کرنے کے لیے کافی ہیں ... بنی ہاشم زمانہ جاہلیت میں مذہبی رہنمائی اور دینی ریاست کے حامل تھے اور بنو عبد شمس تجارت کا مشغلہ رکھتے تھے۔ یا پھر سیاسی لیڈر شپ کے لیے سرگرم عمل رہتے اور یہ دونوں ہی چیزیں یعنی تجارت اور سیاسی قیادت، زمانہ جاہلیت میں سود خواری کم فروشی داد و دہش میں حیلے حوالے دھوکہ بازی۔ دروغگوئی۔ مکر و فریب اور چاپلوسی کے مرادف تھیں لہذا ہم اگر، بنی ہاشم و بنی امیہ کو اخلاق و عادت میں ایک دوسرے کے مغائر دیکھیں کہ ایک کی عادت راستی اور صراحت تھی دوسرے کی دورنگی و چاپلوسی ایک صداقت کو ہاتھ سے جانے نہ دیتا تھا۔ تو دوسرا ہر حیلہ و تدبیر سے کام نکالنے کا خوگر تھا تو کوئی تعجب کا محل نہیں۔
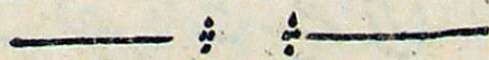
حسین بن علی اور یزید بن معاویہ اپنے اپنے خاندانوں کا جیتا جاگتا نمونہ بن کر مقابل ہوئے۔ حسین ہاشمی خانوادہ کے نمائندہ تھے تو یزید

اموی گھرانے کا نمائندہ تھا۔ بس فرق تھا۔ تو یہ کہ حسین ہاشمی مکارم و فضائل کا بہترین مرقع تھے اور یزید بنی امیہ کے محاسن صفات سے سے بالکل ہی عاری تھا اموی رذائل تو اس میں ایک ایک کر کے جمع ہو گئے تھے۔ لیکن اموی خوبی ایک بھی نہ تھی اس میں موقع نہیں کہ ہم دونوں شخصوں کے حالات کا تفصیلی جائزہ لیں ہم صرف ان دونوں کو نیک طینتی و پاکیزہ فطرتی اور مطلب برآری و نفع پرستی کے ترازو پر تول کر دیکھتے ہیں۔ اسی سے ان دونوں کا فرق بخوبی واضح ہو جائیگا۔

حسینؑ کی منزلت

جبکہ حسین اور یزید کا معرکہ تمام تر پاکیزہ فطرتی اور مطلب پرستی کا معرکہ تھا تو اولیں فضیلت و بزرگی جس کی وضاحت یہاں ضروری ہے وہ آپ کی پیغمبر سے قرابت اور آنحضرت کی محبوبیت ہے۔

واقعۂ کربلا کا تذکرہ کرنے والا مورخ خواہ کسی بھی رنگ و نسل سے تعلق رکھتا ہو چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم، محمد مصطفیٰ کو مانتا ہو یا نہ مانتا ہو اگر حسین کی اس عظیم الشان فضیلت کو سبک سمجھتے ہوئے نظر انداز کر دے گا۔ تو واقعہ کربلا کی اہمیت کو سمجھ ہی نہ سکے گا۔

یہ بات اہم نہیں کہ مورخین اس بات کے قائل ہوں کہ ان کے دل میں حسین کے پاکیزہ نسب کی بڑی قدر و قیمت ہے ارباب علم و دانش کے علم اور مفکرین کے افکار میں ان کے نسب کا بڑا وزن ہے۔ اہم

بات یہ ہے کہ پیروان یزید حسین کے نسبی شرافت سے بخوبی واقف تھے اور یہ بھی بخوبی جانتے تھے کہ اس کا پاس و لحاظ کرنا اور پیغمبر کی محبت کی وجہ سے خود بھی حسین سے محبت رکھنا ضروری ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان کے شعور و احساسات پر نفع پرستی کا اتنا غلبہ تھا کہ وہ حسین کے طرفدار نہ تھے۔ بلکہ یزید کے طرفدار تھے۔ لہذا اگر حسین میں پیغمبر کی قرابت اور پیغمبر کے محبوب ہونے کی صفت نہ ہوتی تو پاکیزہ فطرتی اور مطالب پرستی کی باہمی جنگ واقع نہ ہوتی نہ دونوں طرف کے مقتولین کا اختلاف مزاجی معلوم ہوتا نہ واقعہ کربلا نفس انسانی کے دونوں پہلوؤں کی تصویر کشی کرنے پر قادر ہوتا جو مدت دراز سے برسرِ پیکار چلے آئے ہیں۔

حسین ابن علی پیغمبر کی قرابت اور آنحضرت کے چہیتے ہونے کی وجہ سے ہر مسلمان کو پیارے تھے سبھی کے دل ان کی طرف جھکتے تھے۔ پیغمبر ہی نے آپ کا نام حسین رکھا۔ جس طرح آپ کے بھائی کا نام رکھ چکے تھے۔ حضرت علی فرماتے تھے کہ جب حسن پیدا ہوئے تو میں نے ان کا نام حرب رکھا پیغمبر خدا تشریف لائے اور فرمایا میرے بچے کو دکھاؤ تم نے اس کا نام کیا رکھا۔ میں نے کہا حرب آنحضرت نے فرمایا نہیں بلکہ حسن رکھو (ہم اس روایت سے تفصیلی بحث حضرت امیر المومنین حصہ اولیٰ میں کر چکے ہیں)، بیٹوں کی جتنی محبت پیغمبر کو ہونی چاہیئے تھے۔ وہ سب حسن و حسین کے حصہ میں آئی اور

پیغمبر کی اولاد کے لیے تمنا و آرزو حسن و حسین کی صورت میں پوری ہوئی یہی وجہ تھی کہ آپ ان کی ذراسی تکلیف بھی برداشت نہ کرپاتے نہ ان کے رونے کی آواز سننا پسند کرتے تھے حالانکہ چھوٹے بچے بہت زیادہ رویا کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ آپ عائشہ کے گھر سے نکل کر فاطمہ کے دروازے سے گذرے حسین کو روتے سنا آپ نے جناب فاطمہ سے فرمایا پارہ جگر کیا تمھیں معلوم نہیں کہ اس کا رونا مجھے تکلیف دیتا ہے۔ آپ جناب سیدہ سے فرماتے میرے بیٹوں کو بلاؤ جب حسن و حسین آتے تو آپ ان کو کلیجے سے لپٹاتے ان کی خوشبو سونگھتے ہنساتے کھلاتے۔

ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ پیغمبر اپنی زبان مبارک باہر نکال کر حسین کو دکھاتے چھوٹا بچہ سرخ سرخ زبان دیکھ کر کھل کھلا اٹھتا۔ ایک مرتبہ اسی طرح پیغمبر خدا حسین کو ہنسا کھلا رہے تھے تو جلیبہ بن بدر نے جو اس وقت وہیں بیٹھا ہوا تھا متعجب ہو کر پیغمبر سے کہا۔ آپ اس بچے کو اس طرح ہنساتے کھلاتے ہیں؟ خدا کی قسم میرا بھی ایک لڑکا ہے۔ مگر میں نے آج تک اسے چوما نہیں آنحضرت نے فرمایا۔ من لا یرحم لا یرحم۔ جو رحم نہ کرے گا رحم نہ کیا جائیگا۔ شب کے وقت ایک مرتبہ حسن یا حسین کو کاندھے پر بٹھائے نماز کے لیے نکلے آپ نے انھیں بٹھادیا اور خود نماز میں مشغول ہو گئے آپ جب سجدہ میں گئے تو بہت دیر تک رہے۔ حدیث کا راوی

بیان کرتا ہے کہ میں نے سر جو اٹھایا تو دیکھا کہ بچہ پشت رسول پر ہے اور پیغمبر سجدہ میں ہیں، میں پھر سجدہ میں چلا گیا جب آنحضرت نماز سے فارغ ہوئے تو عرض کیا گیا۔ حضور آپ نے تو آج اتنا طولانی سجدہ کیا کہ ہم سمجھے کوئی بات رونما ہوئی ہے۔ یا وحی کا نزول ہونے لگا ہے۔

آنحضرت نے فرمایا ان میں سے کوئی بات نہ تھی واقعہ یہ تھا۔ کہ میرا بیٹا میری پشت پر بیٹھ گیا مجھے گوارا نہ ہوا کہ میں خود سے اتار دوں جب تک کہ وہ آپ نہ اتر آئے آنحضرت ایک مرتبہ مسلمانوں کے سامنے کھڑے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ حسن و حسین سرخ قمیضیں پہنے گرتے پڑتے پیغمبر کی خدمت میں آئے آنحضرت منبر سے اتر پڑے ان دونوں کو اٹھایا اپنے سامنے بٹھایا اور فرمایا سچ کہا ہے خداوند عالم نے کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولادیں آزمائش ہیں۔ میں نے ان دونوں بچوں کو دیکھا کہ گرتے پڑتے آرہے ہیں مجھ سے برداشت نہ ہو سکا میں نے تقریر روک کر ان دونوں کو اٹھا لیا۔ شاید ہی کوئی ایسا مسلمان ہو گذشتہ زمانہ کا یا موجودہ دور کا جو اپنے پیغمبر کے ساتھ محبت رکھنے کے باوجود اس شفقت و محبت کو سبک سمجھے جو پیغمبر کے دل میں اپنے جگر گوشوں اور اپنے سب سے زیادہ پیاروں کے لیے تھی۔ اسی شفقت و عطوفت نبوی کی وجہ سے حسین ان محیر العقول ہستیوں میں سے ہو گئے جنھیں دنیا کے اقوام و ملل محبت کا سرچشمہ

نازش و افتخار کا سرمایہ اور رنج والم اور رفاہ کاری کا نمونہ قرار دیتے ہیں۔ وہ ہر فرد کے محبوب اور ہر شخص کے لیے سرمایہ فخر و ناز ہیں۔

حسین اسی محبت و عطوفت کی وجہ سے جو لوگوں کے دل میں ان کے لیے تھی ایسے درجہ اعجاز پر پہونچ گئے کہ ان کے بعض ثنا خوانوں نے حمل و ولادت اور رضاعت کے معاملہ میں انھیں صاحب اعجاز بچوں سے ملا دیا۔ چنانچہ کچھ لوگوں نے کہا کہ حسین اور عیسیٰ بن مریم کے علاوہ چھ ماہ کا کوئی بچہ پیدا ہونے کے بعد زندہ نہیں رہا۔ دوسرے لوگوں نے کہا کہ حسین کو ان کی ماں نے دودھ نہیں پلایا۔ حسین نے کسی بھی عورت کا دودھ نہ پیا۔ حسین کی پیدائش کے وقت فاطمہ بیمار ہو گئیں۔ دودھ خشک ہو گیا۔ رسول اللہ نے دایہ تلاش کی مگر کوئی دایہ نہ ملی تو رسول آتے اور اپنی انگشت مبارک حسین کے دہن میں دیدیتے وہ اسے چوستے اور شکم سیر ہو جاتے اس طرح خداوند عالم نے پیغمبر کی انگشت مبارک میں ان کے لیے رزق ودیعت کیا چالیس دنوں تک مسلسل ایسا ہی ہوتا رہا اور خداوند عالم نے پیغمبر کے گوشت سے حسین کے بدن میں گوشت پیدا کیا۔

اس قسم کی اور بہت سی ایسی باتیں۔ بیان کی جاتی ہیں جیسے کہ اقوام عالم اپنے ان محیر العقول ذوات سے وابستہ کر دیتے ہیں جن کی وہ عزت کرتے ہیں وہ ان کی پیدائش عام پیدائشوں سے الگ اور ان کی نشو و نما عام نشو و نما سے الگ بیان کرتے ہیں اور

ان باتوں کا سلسلہ خوارق اور معجزات سے جا ملاتے ہیں۔۔۔۔۔۔ اس میں شک نہیں کہ حسین کی شخصیت اُس شان اعجاز کے لائق تھی جو بعد کے آنے والے لوگوں نے ان کے لیے تصور کی وہ صورت و سیرت آداب و اخلاق کے لحاظ سے دل میں سما اور آنکھوں میں کھپ جاتے تھے ان میں اپنے باپ اور نانا کی مشابہت تھی البتہ وہ سخت گیری اور بات کے دھنی ہونے میں باپ سے زیادہ قریب تھے۔ حضرت علی نے ایک مرتبہ امام حسن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ میرا یہ فرزند حکومت سے کنارہ کش ہو جائے گا۔ میرے گھر والوں میں سب سے زیادہ مجھ سے مشابہ حسین ہیں۔

بعض ثقات کا متفقہ بیان ہے کہ حسن میں پیغمبر کی طرح حلم و بردباری زیادہ تھی۔ اور حسین میں علی کی طرح سخت گیری۔

حسین کے صفات

حسین نے اپنے بچپن میں وہ تمام علوم و فنون سیکھے جو اس زمانہ میں بچے عام طور پر سیکھا کرتے تھے۔ علم و ادب اور شہسواری وغیرہ اکثر حکماء وین و متصوفین اپنے قابل اعتماد نصوص علمیہ و معارف حکمیہ کو امام حسین سے روایت کر کے حضرت علی کی طرف ان علوم کو پلٹاتے ہیں۔ قدرت نے حضرت کو ایسا ملکہ خطابت عطا کیا تھا۔ جس میں طلاقت زبان، حسن بیان صورت حسن اور حسین اشارے سبھی

کچھ موجود تھے۔ منجملہ آپ کے برجستہ کلمات کے وہ فقرے ہیں جو آپ نے جناب ابوذر کو رخصت کرتے وقت کہے تھے۔

"چچا جان خداوند عالم ان حالات کو جنھیں آپ جھیل رہے ہیں بدلنے پر قادر ہے، ہر دن اس کی نت نئی شان ہے لوگوں نے اپنی دنیا کو آپ کے ہاتھ سے بچایا اور آپ نے ان سے اپنے دین کو بچایا جسے ان لوگوں نے آپ سے بچایا اس سے آپ کی بے نیازی ظاہر ہے۔ لیکن آپ نے جس چیز سے انھیں محروم کیا وہ اس کے بہت ہی محتاج ہیں۔ آپ خدا سے صبر و کامیابی کی دعا کیجئے اور فریاد و داویلا کرنے سے پناہ مانگئے کیونکہ صبر دین کا رکن اور بزرگی کی علامت ہے اور لالچ رزق کو آگے نہیں لا سکتی اور نہ فریاد و داویلا۔"

حسین نے جس وقت یہ فقرے کہے تھے اس وقت ان کی عمر تقریباً ۳۳ سال کی تھی گویا انھوں نے اپنے ان فقرات میں اپنی پوری زندگی کی تصویر کشی کر دی ہے۔ اپنی ولادت سے لے کر وقت شہادت تک کے حالات کو سمو دیا ہے۔ اور آپ کے لیے یہ کلمات شعار حیات ہیں حسین وعظ و نصیحت پر مشتمل یا دوسری کسی مناسبت سے شعر بھی کہتے تھے۔ منجملہ ان کے یہ اشعار ہیں ؎

اغن عن المخلوق بالخالق　　تغن عن الکاذب والصادق

واسترزق الرحمان من فضلہ
فلیس غیر اللہ من رازق

من ظن ان الناس لیغنو نه

فلیس بالرحمان بالواثق

پروردگار کے ذریعہ بے نیازی حاصل کرو تاکہ جھوٹوں سے ہٹ کر سچوں سے پیوستہ ہو جاؤ۔

خدائے مہربان سے رزق مانگو۔ خدا کے علاوہ کوئی دوسرا رزق دینے والا نہیں۔

جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ خدا کے علاوہ کوئی دوسرا بھی اسے بے نیاز کر سکتا ہے۔ تو وہ خدائے مہربان پر یقین و وثوق نہیں رکھتا۔

منجملہ آپ کے اشعار کے یہ دو شعر ہیں۔ جو آپ نے اپنی زوجہ اور اپنی دختر کے متعلق کہے تھے۔

لعمرک اننی لاحب دارا

تکون بھا سکینۃ والرباب

احبھما وابذل کلّ مالی

ولیس لعاتب عندی عتاب

اپنی زندگی کی قسم میں اس گھر کو بہت محبوب رکھتا ہوں جس میں سکینہ اور رباب رہتی ہیں۔

میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں ان کے لیے اپنا تمام زر و مال خرچ کرتا ہوں اس معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے

کی مجھے پرواہ نہیں۔

ان دونوں شعروں کی نسبت آپ کی طرف صحیح ہو یا نہ ہو لیکن یہ اشعار اس بات کو ضرور ظاہر کرتے ہیں کہ آپ اپنے گھر میں کس اخلاق سے پیش آتے اور اپنے گھر والوں سے کتنا اچھا سلوک کرتے، آپ اولاد کے ساتھ بہت شدید محبت کرنے والے اور ازواج پر انتہائی مہربان تھے۔ آپ کی بیویوں کی وفاداری کا یہ عالم تھا کہ جناب رباب جن کا مذکورہ بالا اشعار میں ذکر ہے آپ کی شہادت کے بعد بہت سے اشراف قریش نے خواستگاری کی اور شادی کا پیام دیا۔ لیکن رباب نے صاف انکار کر دیا۔ اور کہا کہ میں رسول اللہ کے بعد کسی کو اپنا سسرالی رشتہ دار نہ بناؤں گی، انھوں نے سال بھر تک اس طرح زندگی گزاری کہ کسی چھت کے نیچے نہ دن گذارا نہ شب بسر کی یہاں تک کہ غم حسین میں گھل گھل کر جان دی ایک لمحہ کیلئے بھی نہ آنکھوں کے آنسو تھمے نہ رنج و اندوہ کم ہوا

خلق کریم

حسین نے اپنے بعد والوں کے لیے گھرانے کے ایسے آداب و تہذیب کے نمونے چھوڑے جو واقعاً اس گھر کے شایان شان تھے جس میں حسین نے پرورش پائی۔ وہ باوجود اپنے فضل و شرف جودت ذہن، شجاعت و جوانمردی اور بہت سے محاسن و کمالات

ہیں حسن سے بہتر ہونے کے حسن سے مشورہ لیتے اور مخالفت کر کے
کبھی ان کو رنج نہ پہنچاتے (افسوس کہ عقاد کی یہ لفظیں یا تو ان
کے انتہائی تعصب کی دلیل ہیں یا امام حسن کی عظمت و جلالت
سے ناواقفیت کا ثبوت حسن و حسین دونوں پیغمبر کے جگر گوشے
تھے اور آپ کی دونوں آنکھوں جیسے تھے کسی کو کسی پر ترجیح نہیں
ظاہر پرست افراد صرف اس بنا پر کہ امام حسن نے معاویہ سے
صلح کر لی اور امام حسینؑ نے جان دینی گوارا کی۔ مگر یزید کی بیعت
منظور نہ کی۔ امام حسن کی منقصت کرتے ہیں۔ اور غور نہیں کرتے
کہ امام حسن نے صلح کن حالات میں کی، وہ موقع صلح کا تھا یا جنگ
کا۔۔۔۔ تفصیل کا موقع نہیں سبط اکبر سوانح عمری حضرت امام
حسن میں صلح امام حسن سے بہت تفصیل سے بحث کی جا چکی ہے)

جب امام حسن نے معاویہ سے صلح کا ارادہ کیا تو یہ بات امام
حسین کو پسند نہ آئی آپ نے مشورہ دیا کہ معاویہ سے جنگ کی
جائے۔ امام حسن نے غضبناک ہو کر کہا۔ خدا کی قسم میرا جی چاہتا
ہے کہ تمہیں کسی حجرہ میں مقید کر کے اس کا دروازہ چنوا دوں
اور اس وقت تک تمہیں باہر نہ آنے دوں جب تک صلح انجام کو
کو نہ پہونچ جائے۔ حسین نے پھر کوئی جواب نہ دیا اور بھائی کی
اطاعت اور خاموش رہنا پسند کیا۔

(یہ روایت بھی پتہ نہیں عقاد نے کس کتاب سے نقل کی ہے

امام حسین کا جو موقف رہا صلح امام حسن کے وقت اس کا تفصیلی تذکرہ سبط اکبر میں کیا جا چکا ہے)۔

خاندانی روایات اور باپ کی وصیتوں کے لحاظ کی یہ کیفیت تھی کہ حسین ایک مرتبہ کافی مقروض ہو گئے، معاویہ نے آپ سے خواہش کی کہ دو لاکھ دینار لے کر ابی نیزر کا چشمہ فروخت کر دیں آپ نے ضرورت مند ہونے کے باوجود انکار کر دیا کیونکہ آپ کے پدر بزرگوار اس چشمہ کے پانی کو فقراء مدینہ کے لیے وقف کر گئے تھے اگر آپ بیچ دیتے تو معاویہ ان غریبوں کو اس چشمہ سے یقیناً محروم کر دیتے۔ آپ ہر حال میں سکون و وقار کا پورا لحاظ رکھتے اسی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں آپ کی بڑی ہیبت تھی معاویہ بھی آپ کی اس ہیبت سے واقف تھے۔ چنانچہ آپ نے قریش کے ایک شخص سے جو مدینہ جا رہا تھا۔ کہا جب تم مسجد رسول میں داخل ہو گے تو ایک حلقہ دیکھو گے۔ جس کے افراد اس طرح خاموش اور سناٹے میں ہوں گے۔ گویا کہ ان کے سروں پر طائر بیٹھے ہوئے ہیں وہ حلقہ ابو عبداللہ الحسین کا ہوگا۔

کوئی بھی روایت یہ نہیں بتاتی کہ آپ نے رو در رو کسی کی غلطی ظاہر کی ہو۔ حالانکہ آپ لوگوں کو درس دیتے دینی مسائل سے آگاہ کرتے۔ البتہ اگر کوئی ہٹ دھرمی کرتا یا خواہ مخواہ ضد سے کام لیتا تو آپ ویسا ہی اسے سخت جواب دیتے جیسے سخت

جواب حضرت علی دیا کرتے اور جب ضد اور ہٹ دھرمی نہ ہوتی تو آپ کوئی ایسا حیلہ نکال کر غلطی کی اصلاح کر دیتے کہ غلطی کرنے والوں کو ناگوار نہ گذرتا۔

منجملہ ان واقعات کے جن سے آپ اور آپ کے بھائی کے آداب و تہذیب کا پتہ چلتا ہے یہ واقعہ ہے ان دونوں حضرات نے کسی اعرابی کو غلط طریقہ سے وضو کرتے اور نماز پڑھتے دیکھا ان دونوں کو گوارا نہ ہوا کہ صاف صاف اس غلطی کا اظہار کریں ان دونوں نے اس اعرابی سے کہا۔ ہم دونوں جوان ہیں اور آپ بوڑھے بزرگ ہیں۔ نماز اور وضو کا طریقہ آپ ہم سے زیادہ جانتے ہوں گے۔ ہم دونوں وضو کر کے آپ کے سامنے نماز پڑھتے ہیں اگر کوئی کمی ہو تو بتا دیجئے گا۔ اس بوڑھے کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ لیکن بات اتنے ڈھنگ سے کہی گئی تھی کہ اس نے ذرا بھی ناگواری محسوس نہ کی ایک مرتبہ امام حسین چند فقیروں کی طرف سے گذرے جو کھانا کھا رہے تھے انھوں نے آپ کو بھی شریک ہونے کی دعوت دی جیسا کہ اہل عرب کی عادت ہے۔ آپ سواری سے اتر پڑے شریک طعام ہوئے پھر ان سے کہا کہ میں نے تمہاری دعوت قبول کی اب تم میری دعوت قبول کرو، اس کے بعد آپ نے انھیں گھر لا کر ضیافت کی!۔

علوم فقہ و لغت میں آپ کی صداقت کو جانچنے کے سلسلہ

بس بہت سے غرائب علوم کو آپ سے روایت کیا گیا ہے۔ جس طرح آپ کے پدر بزرگوار کے تسلط علوم کو جانچنے کے سلسلہ میں ایسی چیزیں روایت کی گئی ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ امام حسن و حسین مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے کہ ایک تھکا ماندہ اعرابی داخل مسجد ہوا اس نے امام حسن کی طرف اشارہ کر کے پوچھا یہ کون ہیں لوگوں نے تبلایا کہ یہ حسن بن علی ابی طالب ہیں۔ یہ سن کر اعرابی نے کہا مجھے تو انھیں سے مطلب تھا۔ کسی نے پوچھا تو ان سے کیا چاہتا ہے جواب دیا میں نے سنا ہے کہ یہ لوگ بڑے فصیح و بلیغ اور ماہر زبان عرب ہیں۔ میں لق و دق صحرا بیابان پہاڑوں اور گھاٹیوں کو طے کر کے دور دراز سے یہاں صرف اس لیے آیا ہوں کہ ان سے ادبی مباحثہ کروں اور متعلق کلام عرب کو دریافت کر کے ان کا امتحان لوں۔
حاضرین میں سے ایک شخص نے امام حسین کی طرف اشارہ کر کے کہا فابدأ بهٰذا الشاب پہلے اس نوجوان سے پوچھ۔ پھر ان کے بزرگ سے پوچھنا۔

اعرابی نے بڑھ کر امام حسین کو سلام کیا۔ آپ نے پوچھا تو کہاں سے آیا ہے۔ اس نے جواب دیا۔

انی جئتك من الهرقل والجعلل و
الايثم والهمهم۔

اعرابی کے کلام کو سن کر آپ مسکرائے اور فرمایا۔ اے اعرابی تو نے ایسا کلام کیا۔ جس کو علماء کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا اس نے کہا۔ جی ہاں میں ایسا ہی کلام مغلق و الفاظ غریب بولنے کا عادی ہوں۔ کیا آپ ہمارے انداز کلام کے مطابق اسی طرز پر ہمیں جواب دے سکتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا اچھا تو کلام کریں ویسا ہی جواب دوں گا کہنے لگا کہ آپ جانتے ہیں کہ میں بدوی ہوں اور ہم لوگوں کا اکثر مقال شعر ہی ہوتا ہے۔ حضرت نے فرمایا نظم کی پابندی بھی شعر ہی میں کلام کریں بھی اسی طرز و اسلوب کے اشعار میں تجھے جواب دوں گا۔ یہ سن کر اعرابی نے نو شعر پڑھے جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

هفا قلبی الی الهو ؛ قد ودع شارخیه

ابھی وہ اشعار ختم بھی نہیں کر پایا تھا۔ حضرت نے فوراً ہی بغیر فکر فی البدیہہ نو شعر اسی وزن و قافیہ اور معانی و مطالب کی پابندی کے ساتھ پڑھے۔ منجملہ ان کے یہ ہے۔

فما ارسم سبحانی قد

محت ایات رسمیه

سفور درجت ذیلین

فی بوغاء قاعیه

اس کے بعد حضرت نے اعرابی کے پہلے جملہ کی شرح فرمائی کہ ہرقل شاہ روم کا لقب ہے لیکن اعرابی نے اس سے زمین روم کو

مراد لیا ہے۔ الجعلل کھجور کے چھوٹے درختوں کو کہتے ہیں الانیسم ایک قسم کی گھاس ہے جو سرزمین روم میں بکثرت ہوتی ہے الھمھم وہ کنواں ہے جس میں بہت زیادہ پانی ہو ایسے کنوئیں روم میں زیادہ پائے جاتے ہیں۔

آپ نے بتلایا کہ اعرابی کا مطلب یہ تھا کہ میں سرزمین روم سے آیا ہوں جہاں کے طبعی خصوصیات یہ ہیں کہ وہاں کھجور کے چھوٹے درخت زیادہ ہوتے ہیں انیم کی گھاس بکثرت اگتی ہے اور گہرے پانی والے کنوئیں بہت ہوتے ہیں۔

یہ سن کر اعرابی کہنے لگا۔

میں نے آج تک مثل اس نوجوان کے کسی کو بھی اتنا بڑا۔ فصیح اللسان عربی زبان پر قدرت رکھنے والا نہیں دیکھا۔

یہ روایت صحیح ہو یا نہ ہو لیکن اس سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ آپ نوجوانی کے زمانہ میں علم و فصاحت میں کافی مشہور ہو چکے تھے۔ اور چونکہ آپ کلام عرب کے ماہر تھے اور آپ کی فصاحت کلام کی شہرت عام تھی اس لیے شعراء آپ کی خدمت میں دور دور سے آتے وہ آپ کی عطاء و بخشش کو حاصل کرنے سے زیادہ اس کے خواہاں رہتے کہ آپ ان کا کلام سماعت فرمالیں۔ لیکن آپ کا برتاؤ اور سلوک ان لوگوں کے ساتھ ویسا ہی ہوتا جیسا آپ کے ہم عصر ارباب دولت و ثروت اور جاہ و اقتدار کا ہوا کرتا۔ آپ دل کھول کر داد و

دہش کرتے انھیں انعام واکرام سے مالا مال فرماتے اور خود ضرورت مند ہونے کے باوجود ان لوگوں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ایک مرتبہ اس داد و دہش کی زیادتی پر امام حسن نے آپ کو متوجہ کیا تو آپ نے خط لکھ کر جواب دیا کہ مال وہی اچھا ہے۔ جس سے آبرو کی حفاظت کی جائے۔ اگرچہ حسین نے صرف آبرو کی حفاظت ہی میں داد و دہش نہیں کی بلکہ جو بھی حاجت لے کر ان کے در پر آتا اس کی حاجت روائی کرتے اور کسی کو ناامید نہ کرتے۔

وفا اور شجاعت

امام حسین جود و سخا کے ساتھ دو ایسی صفتوں میں بھی مشہور ہوئے جو بہترین صفات انسانی میں داخل ہیں اور امام حسین کے گھرانے اور ان کے فضل و شرف کے شایاں شان تھیں۔ یعنی وفا اور شجاعت۔

آپ کی وفا کا یہ عالم تھا کہ جب بعد وفات امام حسن لوگوں نے آپ سے درخواست کی کہ معاویہ کے خلاف خروج کرنا چاہیئے تو آپ نے انکار کیا کیونکہ آپ صلح کا معاہدہ کر چکے تھے۔ آپ نے اپنے ان انصار سے جنھوں نے اس کی تحریک اٹھائی تھی۔ کہا کہ نقض عہد مناسب نہیں جب تک مدت گذر نہ جائے معاویہ بھی آپ کی وفا اور ساتھ ہی ساتھ آپ کے جود و بخشش سے واقف تھے۔

انھوں نے ایک مرتبہ معززین مدینہ کو تحفے اور ہدایا بھیجتے وقت
اپنے مصاحبین سے کہا اگر کہو تو میں بتادوں کہ یہ معززین مدینہ
ان تحفوں کو کس طرح خرچ کریں گے عطر و خوشبو میں سے کچھ تو
حسن اپنی ازواج کو دے دیں گے باقی چیزیں وہ لوگ بانٹ لیں
گے جو موجود ہوں گے۔ غیر حاضر افراد کا انتظار نہ کیا جائے گا۔ رہ
گئے حسین تو وہ پہلے ان یتیموں کو دیا گے جن کے باپ صفین میں
علی کی معیت میں شہید ہوئے اگر ان میں سے کچھ بچ رہا تو پھر دوسرے
لوگوں کی تواضع ہوگی۔

حسین کی شجاعت ایسی صفت تھی جس پر حیرت نہ ہونی چاہیئے
کیونکہ وہ ان کے گھر کی چیز تھی۔ یہ وہ صفت تھی جو انھوں نے اپنے
باپ دادا سے میراث میں پائی اور اپنے بعد اپنی اولاد کو وارث
بنا گئے وہ شمالی افریقہ، طبرستان، اور قسطنطینہ کی لڑائی میں
شریک ہوئے۔ اپنے باپ کے دوش بدوش جنگ جمل و صفین میں
داد شجاعت دیا۔ (جنگ صفین و جمل میں امام حسین کا شریک رہنا
تو مسلم ہے۔ مگر افریقہ، طبرستان، قسطنطینہ کی لڑائیوں میں
شرکت محل نظر ہے۔ شیعی کتب میں تو سرے سے اس کا ذکر نہیں محققین
اہل سنت نے بھی اسے نہیں لکھا۔) بنی نوع انسان میں آج تک کوئی
ایسا بہادر نہیں گذرا جس نے ایسی محیر العقول شجاعت کا مظاہرہ
کیا ہو جیسا حسین نے بروز عاشورہ مظاہرہ کیا۔

حسین نے شجاعت صرف میراث ہی میں نہیں پائی بلکہ بچپن سے تربیت بھی پائی تھی۔ شجاعت کی، جیسے گھوڑے کی سواری، پہلوانی اور دوڑ وغیرہ۔ رہ گئیں حسین کی عادتیں رہن سہن اور طرز معیشت تو وہ بڑے لطیف احساسات اور پاکیزہ ذوق انسان تھے خوشبو اور عطر پسند کرتے اور پھولوں پر فریفتہ تھے۔

انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ امام حسین کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک کنیز پھولوں کا گلدستہ لے کر آئی اور آپ کی خدمت میں پیش کیا آپ نے فرمایا جا تو راہ خدا میں آزاد ہے انس نے تعجب سے کہا۔ ایک کنیز پھولوں کا گلدستہ پیش کرتی ہے اور آپ اسے آزاد کر دیتے ہیں آپ نے فرمایا خداوند عالم نے ہمیں ایسی ہی تعلیم دی ہے ارشاد باری ہے واذحییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منھا او ردوھا۔ جب تمہیں کوئی چیز تحفہ میں دی جائے تو تم اس سے بہتر تحفہ دو، نہیں تو کم سے کم ویسا ہی۔ اس کنیز کے لیے اس کی آزادی سے بہتر کوئی تحفہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

آپ نماز پنجگانہ کے علاوہ اور بھی بہت سی نمازیں پڑھتے تھے ماہ صیام کے روزوں کے علاوہ اور بھی روزے رکھتے شاید ہی کوئی سال ایسا گزرا ہو جس میں آپ نے حج نہ کیا ہو۔

آپ ہجری حساب سے ۵۷ سال زندہ رہے، آپ کے بڑے اور چھوٹے دونوں قسم کے دوست تھے مگر کسی نے بھی آپ کو کوئی عیب

نہیں لگا یا نہ کسی سے یہ ممکن ہو سکا کہ آپ کی کسی فضیلت کا انکار کر سکے۔ ایک مرتبہ امام حسین نے معاویہ کو بہت سخت خط لکھا معاویہ کے ہم نشینوں نے آپ کے انداز تحریر کو بہت گراں سمجھا اور معاویہ سے اصرار کیا کہ آپ بھی انھیں ویسا ہی سخت جواب دیجئے۔ اور ان کے عیوب گنوائیے معاویہ حیران رہ گئے ڈھونڈھے سے بھی آپ میں کوئی عیب نہ نکال سکے انھوں نے کہا علی کے متعلق تو کہنے کو بات مل جاتی ہے۔ مگر حسین کے متعلق کہنے کو کوئی بات نہیں ملتی یہ ایک مختصر سا خاکہ تھا ایک حریف کی سیرت کا۔

یزید کے اخلاق و عادات

حسین کے مقابل میں یزید آیا یہ مقابلہ دو شخصیتوں اور دو خاندانوں کا مقابلہ تھا نہ کہ اخلاق و عادات بلکات و خصوصیات اعمال و افعال میں ایک جیسے دو شخصوں کا مقابلہ :-

یزید بن معاویہ عبد مناف کی اولاد سے بھی تھا اور قریشی بھی لیکن دوست دشمن مادحین اور قادحین سبھی متفقہ طور پر ان صفات مذمومہ کو تسلیم کرتے ہیں جن کے ساتھ عبد مناف کی یہ شاخ یعنی بنی امیہ مشہور تھے، ان صفات میں مشہور صفت خود خواہی اور تن پرستی تھی۔

ابو سفیان کا خاندان دولت و ریاست کا خاندان ضرور تھا۔

لیکن یہ حقیقت واقعہ ہے کہ معاویہ ابن ابی سفیان نے اس دولت و ریاست کا کوئی حصہ بھی میراث میں نہیں پایا اس لیے کہ ابوسفیان نے اپنی ساری دولت و ثروت اسلام سے جنگ کرنے میں خرچ کر ڈالی تھی کچھ باقی بچا ہی نہ تھا کہ جو بعد میں اس کے وارثوں کے ہاتھ لگتا۔ روایت بتاتی ہے کہ پیغمبر سے ایک مرتبہ کسی عورت نے مشورہ لیا کہ میں معاویہ سے شادی کروں یا نہیں تو آپ نے فرمایا معاویہ قلاش انسان ہے۔

ایک دوسری حقیقت جس کا اظہار کر دینا اس محل پر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ معاویہ کاتبان وحی سے نہ تھے جیسا کہ ان کے حوالی موالی اور ان کے نمک خوار افراد نے اکابر صحابہ کی آنکھ بند ہونے کے بعد مشہور کیا وہ صرف آنحضرت کے عام احکام و فرامین لکھا کرتے تھے زکواۃ کی وصولی و خرچ کے حسابات لکھتے کسی بھی معتبر راوی نے نہیں بیان کیا کہ پیغمبر نے ان سے قرآن مجید کی ایک آیت بھی لکھوائی ہو۔

معاویہ میں کچھ ستودہ صفات بھی تھے جیسے وقار و حلم و تحمل و برداشت اور زیرکی و دانائی وغیرہ لیکن باوجود ان سب باتوں کے وہ ایسی ہولناک لغزشیں کر جاتے جو مضبوط سے مضبوط سلطنت کو متزلزل کر دیں منجملہ ان کے حجر بن عدی اور ان کے چھ رفقاء و اصحاب کا قتل ہے معاویہ نے ان لوگوں کو محض اس جرم پر قتل کیا کہ یہ علی کے پیرو تھے

اور علی کے سب وشتم پر تیار نہ ہوئے۔ معاویہ جب تک جئے اپنی اس حرکت پر پچھتایا کئے وہ کہا کرتے ہیں نے جس کو بھی قتل کیا کسی نہ کسی سبب سے قتل کیا سوا حجر کے جن کے قتل کا کوئی بھی بہانہ ڈھونڈھے سے نہیں ملتا۔

یزید کی ماں میسون بنت سجدل بنی کلب کی شریف عورت تھی اسے معاویہ کے ساتھ رہنے کے بہ نسبت بدویت کی زندگی زیادہ محبوب تھی چنانچہ بیابانی زندگی پر اپنی فریفتگی کا اظہار کرتے ہوئے کہتی ہے۔

اٹنگے کرتے پہننا (جیسا کہ صحرا نشین عورتوں کا دستور ہے) مجھے لباسہائے فاخرہ پہننے سے زیادہ محبوب ہے۔

وہ جھونپڑا جسے تند و تیز ہوائیں جھکولے دیں بلند و بالا قصر سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

اسی سلسلہ میں کہتی ہے۔

وخرق من بنی عمی فقیر	احب الی من علج علیف

میرے چچا کی اولاد میں سے ایک فقیر وبے سروسامان انسان مجھے بدصورت اور تند خو شوہر سے زیادہ پیارا ہے۔

اس صحرائی تربیت کی وجہ سے یزید نے بہت سی ایسی چیزیں حاصل کیں جو طاقتور افراد کے لیے مفید ہیں۔ لیکن جیسا کہ تجربہ

شاہد ہے طاقتور دو تونگرا خاندانوں کے لیے مفید نہیں بلکہ نقصان
دہ ہیں یہ چیزیں رہی سہی قوت ارادی کو بھی ختم کر دیتی ہیں۔ یزید نے
صحرائے بنی کلب سے فصاحت و بلاغت شکار کا شوق، شہسواری،
جانوروں خصوصاً کتوں کی پرورش و پرداخت اور اس کی ریاضت
و تربیت حاصل کی یہ باتیں اس میں شک نہیں مردان قوی النفس
اور قوی الارادہ کے لیے بڑے کام کی چیزیں ہیں انھیں زینت بھی
دیتی ہیں اور ان کی طاقت و توانائی کو بھی بڑھاتی ہیں لیکن یہی چیزیں
شریفوں کی اولاد میں اگر ہوں تو انھیں لہو و لعب ہوس رانی و اوباشی
میں غرق کر دیتی ہیں۔ اس لیے ایسے افراد کے نزدیک بس یہی چیزیں
سب کچھ ہوتی ہیں۔ نہ ان کے پیش نظر بلند و بالا مقاصد ہوتے ہیں
نہ کوئی بڑی فکر ہوتی ہے۔

اس طرح یہی خوبیاں یزید کے لیے بجائے ہنر کے عیب بن
گئیں چنانچہ اچھے اشعار سے اس کی غیر معمولی دلچسپی محرک ہوتی کہ
شاعروں کو اپنی شراب کی محفلوں میں بلائے اور ان کے ساتھ
داد طرب دے۔

شکار کے شوق نے ملکی مشاغل اور سیاست سے دور رکھا
جانوروں کی تربیت و ریاضت نے اسے ان نکمے لوگوں جیسا بنا دیا
تھا جو بندروں اور چیتوں کو پالتے اور ان کے ساتھ کھیلتے ہیں
چنانچہ یزید نے ایک بندر پال رکھا تھا جس کا نام اس نے

ابو قیس رکھا تھا۔ اسے ریشمی اور زرتار کپڑے پہنا کر شراب و کباب کی محفلوں میں اپنے ساتھ رکھتا اور گھوڑ دوڑ کے موقع پر ایک گدھی کی پشت پر اسے سوار کرتا اور گھوڑوں کے ساتھ دوڑاتا اور اس کی تمنا کرتا کہ بازی اسی بندر کے ہاتھ رہے وہ گھوڑوں سے آگے نکل جائے۔ بعض روایات میں ہے کہ یزید نے اپنے بندر سے خطاب کر کے یہ شعر بھی کہے تھے۔

تمسک ابا قیس بفضل عنانھا۔
فلیس علیھا ان سقطت ضمان
الا من رای القرد الذی سبقت
بہ جیاد امیر المومنین اتان

ابو قیس گدھی کی لگام مضبوطی سے پکڑے رہ کیونکہ اگر تو اس گدھی کی پشت سے گر گیا تو گدھی اس کی قصوروار نہ ہوگی۔ کس نے ایسا بندر دیکھا ہے۔ جسے گدھی، امیر المومنین یعنی معاویہ کے شریف گھوڑوں سے آگے نکال لے جائے۔

ہو سکتا ہے کہ عبداللہ بن حنظلہ نے یزید کی مذمت میں مبالغہ کیا ہو یہ کہہ کر کہ خدا کی قسم ہم نے یزید کے خلاف اس وقت تک خروج نہ کیا جب تک ہمیں یہ خطرہ لاحق نہ ہو گیا کہ کہیں ہم پر آسمان سے پتھر نہ برسیں یہ شخص یزید ماؤں بہنوں بیٹیوں سے منہ کالا کرتا شراب پیتا اور نماز کا تارک تھا، خدا کی قسم اگر کوئی بھی میرا ساتھ نہ دے تب

بھی میں تن تنہا اس سے جنگ کروں گا۔

لیکن یہ حقیقت و واقعہ ہے کہ احادیث و روایات کا اور کسی بات پر اتنا اتفاق نہ ہوا ہوگا جیسا کہ اس کے ہر وقت شراب کے نشہ میں غرق رہنے اس کی عیاشی و ہوس رانی اور ترک فرائض و واجبات پر اتفاق ہے۔ وہ ذات الجنب ۔ ۔ ۔ ۔ (پسلیوں کے ورم) کے مرض میں مرا جبکہ اس کی عمر ابھی ۳۷ سال سے زائد نہ تھی۔ بہت ممکن ہے شراب کی کثرت اور عیاشی و ہوس رانی کی زیادتی کی وجہ سے اس کے جگر کا فعل خراب ہو گیا ہو۔ کسی کی بھی عقل یہ باور کرنے پر تیار نہ ہوگی کہ اس کی ہوسناکی اور مےخواری کی داستانیں دشمنوں کی طبعزاد ہیں اگر دشمنوں ہی کا پروپاگنڈہ ہوتا تو پھر اس کے باپ معاویہ اور عمرو عاص کے متعلق ان باتوں کا پروپاگنڈہ کیوں نہ ہوا۔ بنی امیہ کے دشمنوں کے نزدیک تو یہ دونوں سب سے بڑھ کر مبغوض و ناپسندیدہ تھے اس کے زلہ خواروں اور دولت خواہوں نے اس کی بہت سی برائیوں پر پردے ڈالے بہت سے فضائل اس کے لیے گڑھے مگر اس کی شراب خواری اور ہوسناکیاں اتنی طشت از بام ہو چکی تھیں کہ اس پر پردے نہ ڈال سکے۔

یزید کی یہ خامیاں کوئی اس وجہ سے نہ تھیں کہ یزید ناتواں و لاغر تھا یا اس کو کوئی اندرونی بیماری لاحق تھی بلکہ اس کے اخلاق

ہی ایسے پست تھے اور دل ہی اس کا ایسا سقیم تھا اس کی وجہ سے وہ باوجود مضبوط و طاقت ور اور قوی الجثہ ہونے کے شاندار کارناموں سے بے خبر رہتا بچپن میں اسے چیچک نکل آئی تھی جس کے نشانات مرتے دم تک اس کے چہرے پر باقی رہے لیکن یہ تو ایسی بیماری ہے جو صحرائی زندگی میں عام ہے اس مرض کی وجہ سے عزم و ہمت کا فقدان اور معرکہ آرائی سے گریز نہیں ہوا کرتا۔

کھیل کود سیر تفریح کے موقع پر تو شہسواری کا شوق جنون کی حد تک پہونچا ہوا تھا۔ لیکن میدان جنگ کی شہسواری جس میں بہادروں کے حوصلے ایکدوسرے پر سبقت لے جاتے ہیں اور ان کے ولولے امنگیں عروج پر ہوتی ہیں ایسی شہسواری کی ہمت اس میں مفقود تھی۔

چنانچہ معاویہ نے سفیان بن عوف کی سرکردگی میں قیصر روم سے لڑنے کے لیے لشکر قسطنطینیہ کی طرف بھیجا تو یزید بیمار بن گیا یہاں تک کہ لشکر روانہ ہو گیا۔ بعد میں خبر آئی کہ لشکر والوں کو راستہ میں بھوک اور بیماریوں کی زحمتیں اٹھانی پڑیں تو یزید نے یہ اشعار کہے۔

مجھے اس کی کیا پروا کہ لشکر والوں نے بخار یا مرض طاعون کا سامنا کیا۔

جبکہ میں مسند وگاؤ تکیہ پر سہارا کیے دیر مران میں مقیم رہا اور میرے پاس ام کلثوم تھی۔

یہ اشعار کافی مشہور ہوئے یہاں تک کہ معاویہ نے بھی سنے انھوں نے قسم کھائی کہ یزید کو ہم اس لشکر کے ساتھ بھیج کر رہیں گے تاکہ جنگ سے جی چرانے اور لشکر کے ساتھ نہ جانے پر خوشی منانے کی وجہ سے جو داغ لگ گیا ہے وہ داغ مٹ جائے۔

عجیب ترین تماشا یہ ہے کہ حسین و یزید کا باہمی تضاد ہر حیثیت سے مکمل تضاد تھا ایک دوسرے کے نقیض اور ضد ہونے میں کوئی کسر باقی نہ رہی یزید کو حسین کے مقابل میں کوئی بھی امتیاز فضیلت حاصل نہ تھی یہانتک کہ ایسے خصوصیات میں بھی یزید حسین پر سبقت نہ لے جاسکا جو اتفاقی ہوتے ہیں۔ انسان کا اس میں اپنا کوئی بس نہیں ہوتا منجملہ ان کی سن میں بزرگی ہے جبکہ یزید اور حسین میں بیعت کے مسئلہ پر تصادم ہوا تو اس وقت حسین کی عمر ۵۷ سال کی تھی قوی مکمل عقل پختہ ہو چکی تھی اور علم و تجربہ میں ہر حیثیت سے پورے تھے اور یزید لگ بھگ ۳۴ برس کا تھا اور اسے ایک رائی اور رعایا کے معاملات کا کوئی بھی تجربہ نہ تھا۔

آج کل کے لوگ سن کی بزرگی کو کوئی خاص اہمیت۔ نہ دیں

لگے۔ لیکن ہم جس زمانہ کی بات کر رہے ہیں۔ اس زمانہ کے عرب والے اسی چیز کو بڑی اہمیت دیتے تھے اس زمانہ کے اسلاف و اخلاف کی نشوونما ہی ہوئی تھی بزرگوں کی اطاعت اور سن و سال کے پاس ولحاظ پر پھر ۵۷ برس کی عمر ایسی پیرانہ سالی و ضعیفی بھی نہیں کہ جوان یہ کہہ کر اپنے دل کو تسلی دے لے کہ یہ بڑھاپے کی وجہ سے از کار رفتہ ہو چکے ہیں ان کی عزیمت و ہمت مفلوج ہو چکی ہے ہم جوانی کی منزلوں میں ہیں ہمارا عزم زیادہ مستحکم اور ہمت عروج پر ہے۔

اسی طرح یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یزید کو قانون وراثت کے سبب حسین پر ترجیح حاصل تھی۔ اس لیے کہ معاویہ کا اس دستور کے خلاف جواب تک چلا رہا تھا۔ یزید کو اپنا وارث بنانا بدعت ہرقلیہ تھی۔

اسلام سے تو اسے کوئی تعلق نہ تھا البتہ کسریٰ اور قیصر کی پیروی ضرور تھی جیسا کہ اس زمانہ کے مسلمانوں کا خیال تھا۔ اور انھوں نے اس حرکت کو بدعت ہرقلیہ سے تعبیر کیا تھا۔ یہ بات بھی انتہائی غلط اور ناقابل یقین ہے کہ شروع زمانہ کے مسلمان یزید کی اطاعت و پیروی اس کے فرزند معاویہ ہونے کی وجہ سے تو واجب جانتے تھے مگر اہل بیعت پیغمبر کی اطاعت کو پیغمبر کے رشتہ دار ہونے کے سبب واجب نہیں سمجھتے تھے۔

نیرنگئی تاریخ مقتضی ہوئی کہ ان دونوں حریفوں کے درمیان ایسی جنگ چھڑ جائے جس میں مطلب پرستی و خود غرضی اس طرح عالم آشکارا ہو جائے کہ آج تک کسی معرکہ میں آشکار نہ ہوئی ہو گی۔

اگر اس مطلب پرستی اور خود غرضی کے جذبات کار فرما نہ ہوتے تو یقیناً یزید بری طرح ذلیل و خوار اور ہزیمت یاب ہوتا۔ یزید میں تو اس کی بھی صلاحیت نہ تھی کہ وہ بغیر اپنے حوالی موالی اور اپنے خاندان کے لوگوں کے اس خود غرضی و مطلب پرستی کے جذبات سے کام لے سکے۔ بنی امیہ جو دولت و جاہ کے ہمیشہ طلبگار اور برابر اس کے لیے سرگرم عمل رہا کرتے اگر یزید کی مدد نہ کرتے تو وہ اپنے مقصد میں کبھی بھی کامیاب نہ ہوتا نہ حسین پر اسے ظاہری فتحیابی نصیب ہوتی۔

انصارِ حسین اور طرفدارانِ یزید
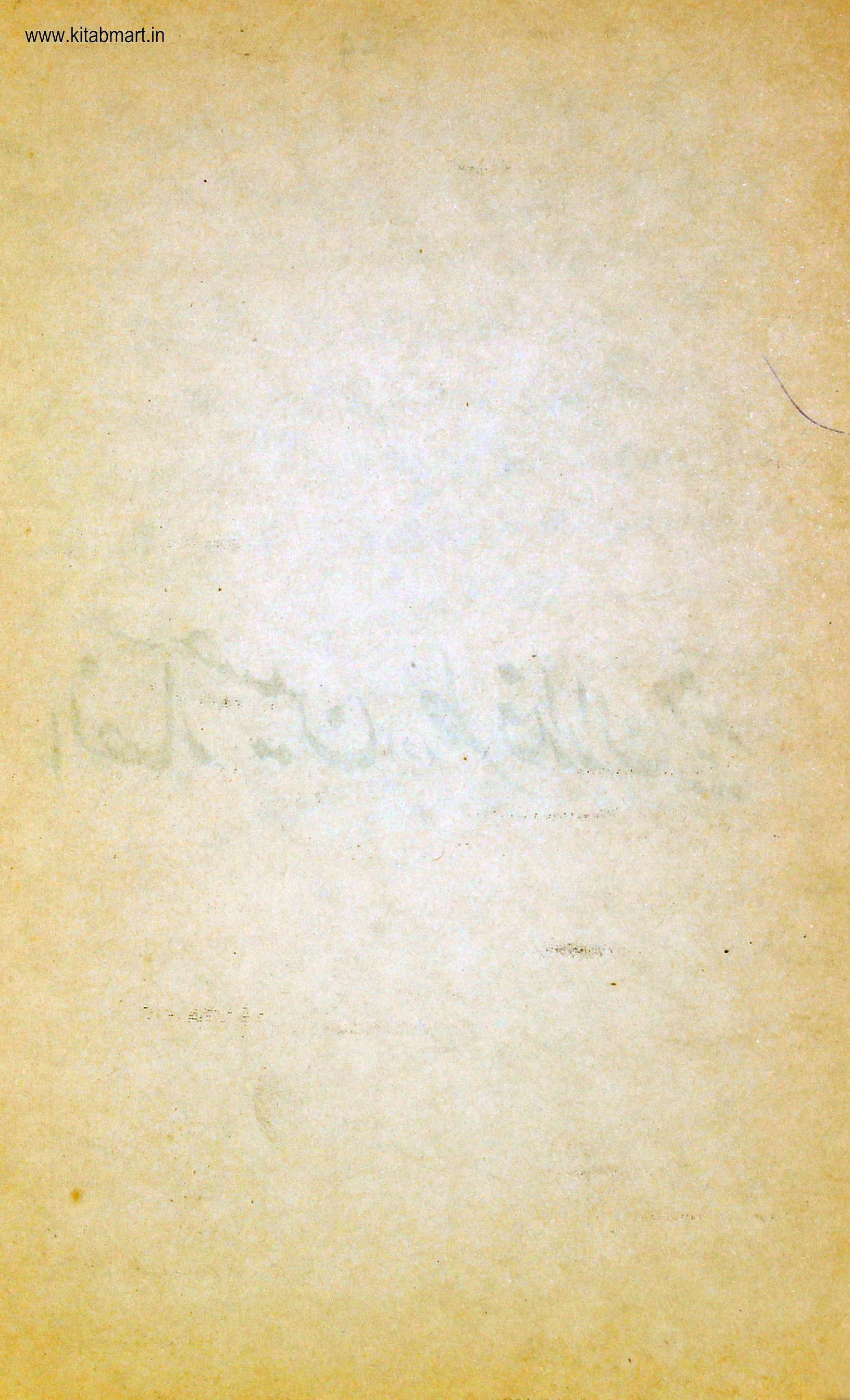
انصار حسین اور طرفداران یزید

حسینؑ جبکہ اپنے ہمدردوں کی دعوت پر کوفہ روانہ ہوئے تو راستہ میں جب کسی سے ملاقات ہوتی اس سے واقعات کی رفتار اور لوگوں کے حالات وکیفیات دریافت کرتے رہتے۔ ہر ایک تقریباً ایک ہی سا جواب دیتا۔ مکہ سے باہر نکلنے پر فرزدق سے ملاقات ہوئی جو اہلبیتؑ کی دوستی و محبت میں کافی مشہور تھے آپ کے دریافت کرنے پر انھوں نے جواب دیا۔

"لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں اور ان کی تلواریں بنی امیہ کے ساتھ قضا و قدر آسمان سے نازل ہوتے ہیں۔ اور خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔"

مجمع بن عبید عامری سے جب آپ نے دریافت حالات کیا تو انھوں

نے کہا۔

"اشراف اور معززین کو بڑی بڑی رشوتیں دی گئی ہیں۔ ان کے گھر بھر دیئے گئے ہیں۔ انھیں آپ اپنی مخالفت میں ایک دل اور ایک زبان سمجھیئے۔ ان کے سوا باقی تمام لوگوں کی یہ کیفیت ہے کہ ان کے دل تو آپ کی طرف مائل ہیں لیکن کل ہی ان کی تلواریں آپ کے خلاف کھنچی ہوں گی"۔

فرزدق نے بھی ٹھیک کہا تھا۔ اور مجمع بن عبید نے بھی تمام لوگوں کے دل اور ان کے رجحانات حسینؑ بن علیؑ کی طرف تھے مگر اسی وقت تک جب تک کہ انھیں بنی امیہ کی دولت و حکومت سے منافع کی امید نہ ہوتی جب منفعت کا سوال بیچ میں آجاتا تو پھر اس وقت وہ دل کی بات نہیں سنتے بلکہ ان کے خلاف تلوار نیام سے کھینچ لیتے۔

معززین و اکابر کو بڑی بڑی رشوتیں بھی دی گئی تھیں اور رشوتوں کے بعد عہدہ و مناصب جاہ و اقتدار کی بڑی بڑی امیدیں بھی دلائی گئی تھیں ان کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی۔ کہ ہمارا جاہ و منصب اور دولت و ثروت بس اسی وقت تک باقی رہے گی۔ جب تک بنی امیہ کی حکومت باقی ہے اگر ہمیں اپنی دولت ہمیشہ کے لیے باقی رکھنا ہے تو ضروری ہے کہ ہم اموی حکومت کو مستحکم و پائدار بنانے کی جی جان سے کوشش کریں۔

ان معززین اور اکابر کے علاوہ کچھ ایسے بھی اشراف اور ذی

وجاہت افراد تھے جن کا درجہ اور منزلت ان رشوتوں اور عہدہ ومنصب کی ترغیب وتحریص سے کہیں بلند وبرتر تھی انھیں بنی امیہ کی حکومت سے کوئی وابستگی نہ تھی یہ لوگ بنی امیہ سے ظاہرداری برتتے مگر ایسی بھی ظاہرداری نہیں کہ حسین کے خلاف تلوار کھینچنے پر آمادہ ہو جائیں منجملہ ان کے ہانی بن عروہ تھے جو قبائل کندہ کے بزرگ ترین اکابر سے تھے شریک بن اعوار اور سلیمان بن صرد خزاعی تھے یہ دونوں صاحبان وجاہت اور دیندار تھے۔ بلکہ بنی امیہ کے کارپردازوں میں بھی ایسے لوگ موجود تھے۔ جو بنی امیہ کی حسین دشمنی اور ان کی سخت عداوت کو دیکھ کر ان کا لشکر چھوڑ کر اس لشکر میں چلے آتے تھے۔ جس کے لیے موت اور مصائب وشدائد مقدر ہو چکے تھے۔ جیسا کہ حر بن یزید ریاحی نے کربلا میں کیا۔ انھوں نے شام والوں کو دیکھا کہ وہ صرف حسین کو نرغہ اور حصار میں لینے ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ان کی جان لینے کے درپے ہیں انھوں نے سپہ سالار لشکر عمر سعد سے پوچھا "کیا تم حسین سے جنگ کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟"۔ اس نے کہا۔ ہاں! حر نے اموی لشکر کو خیرباد کہا۔ اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر حسین کے قریب آگئے اور عرض کی فرزند رسول میری جان آپ پر قربان میں وہی ہوں۔ جس نے آپ کو واپس جانے سے روکا اور گھیر کر یہاں آنے پر مجبور کیا۔ میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ یہ لوگ آپ کی جان کے خواہاں ہیں۔ خدا کی قسم اگر مجھے ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ یہ لوگ اس حد تک پہونچ جائیں

گے تو میں کبھی اس حرکت کا مرتکب نہ ہوتا جو کہ سرزد ہو چکی ہے میں نے جو کچھ آپ کے ساتھ بدسلوکی کی اس پر خدا سے توبہ کرتا ہوں کیا میری توبہ قبول ہو جائے گی۔؟"

حسینؑ نے ان کی توبہ قبول کی اور اسی لمحہ حر نے آپ کی طرف سے دشمنوں سے لڑنا شروع کیا یہاں تک کہ وہ درجہ شہادت پر فائز ہوئے آخری کلمہ جو ان کی زبان سے نکلا وہ یہ تھا۔ السلام علیکؑ یا ابا عبداللہ

مختصر بات جو پورے جزم و وثوق سے کہی جا سکتی ہے یہ ہے کہ لشکر یزید میں جتنے بھی تھے سب ہی ہوا و ہوس کے بندے اور دولت مال کے طلب گار تھے یہ دولت کی طمع ہی تھی۔ جس نے انھیں حسینؑ کے خلاف تلوار اٹھانے پر آمادہ کیا۔ یہ لوگ حرص و طمع میں اتنے غرق تھے اور ان کے دل اتنے مردہ ہو چکے تھے۔ کہ انھیں کسی بات کی پرواہ نہ تھی۔

معاویہ کے اردگرد بہت سے تجربہ کار اور بانند بیر شیر تھے جیسے عمرو بن عاص۔ مغیرہ بن شعبہ زیاد بن ابیہ اور انھیں جیسے دیگر مشہور ڈپلومیٹ افراد جنھیں تاریخ نے حکومت و سلطنت کی بنیاد رکھنے والے یا بادشاہ ساز لقب دے رکھا ہے۔ یہ لوگ معاویہ کی نام نہاد نیک نامی اور ان کی داد و دہش کے ذریعہ بہت سے لوگوں کو اپنا طرف دار بنا لیتے اور مشکل سے مشکل کام کر گزرتے تھے۔

لیکن یہ سب کے سب معاویہ کی زندگی ہی میں مر کھپ چکے تھے۔ اور

یزید کے لیے ایک آدمی بھی ایسا زندہ باقی نہ رہا تھا۔ جسے سلطنت کی بنیاد رکھنے والا بادشاہ ساز کا لقب دیا جا سکے صرف ایسے لوگ بچ رہے تھے جو فطرت و خصلت میں بالکل یزید جیسے تھے جن کی مختصر اور صحیح تعریف یہ ہے کہ وہ جلادوں کی جماعت تھے۔ جس کو قتل کرنے کا حکم دے دیا جاتا اسے قتل کرتے اور خوش خوش اپنی مزدوری لے لیتے تو معاویہ کے اعوان و انصار سیاست داں اور با تدبیر افراد تھے اور یزید کے اعوان و انصار جلاد اور شکاری کتے تھے۔

پست فطرتی اور طبعی خباثت کے علاوہ اس گروہ کا چہرہ مہرہ اور جسمانی ساخت بھی ایسی تھی جیسی بدقماش اور بدقوارہ لوگوں کی ہوتی ہے۔ جلادوں کی طرح جنھیں دیکھتے ہی انسان کے جسم میں لرزہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگ جن کے سینوں میں خواہ مخواہ بنی آدم کی سے کینہ و عناد کی آگ سلگتی رہتی ہے۔ خصوصاً ان لوگوں کے خلاف جن کے اخلاق ستودہ اور جن کی فطرت و طینت پاکیزہ ہوتی ہے ایسے لوگوں کی دشمنی و عداوت میں تو حد سے گزر جاتے ہیں۔ چاہے انھیں کوئی اجر نہ بھی ملے یا منفعت نہ بھی حاصل ہو اور اگر کہیں اجر و منفعت کی امید ہو جائے تب تو قیامت ہی ہے۔

اس گروہ کے بدترین افراد شمر بن ذی الجوشن، مسلم بن عقبہ، عبید اللہ بن زیاد تھے عمر بن سعد بھی قریب قریب ان ہی لوگوں جیسا تھا۔

شمر بن ذی الجوشن انتہائی بد صورت کریہہ المنظر تھا۔ ظاہرا

اپنے کو خارجی کہتا تھا تاکہ اپنے مذہب کو علی اور فرزندان علی سے جنگ کرنے کی حجت قرار دے سکے۔ لیکن اسی مذہب کو معاویہ اور فرزندان معاویہ سے جنگ کرنے کی حجۃ نہیں قرار دیتا گویا اس نے اپنے مذہب کو کینہ نکالنے کا بہانہ بنایا تھا۔ پھر دولت و مال کا ڈھیر دیکھ کر اپنا مذہب بھی بھلا بیٹھا تھا۔ اور اپنا کینہ و عناد بھی۔

مسلم ابن عقبہ انسانی کھال میں زہریلا جانور تھا۔ یہ یک چشم ٹیڑھی گردن اور دیو جیسے چہرے کا انسانی تھا۔ جب چلتا تو ایسا معلوم ہوتا کہ کیچڑ سے پیر کھینچ کھینچ کر چل رہا ہے۔ اس کی خباثت و شقاوت کی یہ حد تھی کہ باوجود انتہائی ضعیف کہن سال اور قبر میں پیر لٹکائے ہونے کے اس نے مدینہ نبوی کو تین دن کے لیے فوجیوں پر مباح کر دیا تھا۔ اور وہاں کے باشندوں کو اس بے دردی و شقاوت سے قتل کیا تھا جس طرح قصاب بھیڑ بکری ذبح کرتا ہے اتنا خون بہا کہ پیر خون میں ڈوب ڈوب گئے اس نے مہاجرین و انصار اور بدر میں شرکت کرنے والے صحابہ کی اولاد کو تہ تیغ کیا اور صحابہ و تابعین سے جو لوگ بچ رہے تھے ان سے اس بات پر بیعت لی کہ وہ یزید کے زر خرید غلام ہیں۔

قبر نبی کے آس پاس اس کے لشکریوں نے خوب تباہی مچائی سب کے مال و متاع لوٹ لیے عورتوں کے ساتھ منہ کالا کیا اتنے لوگ قتل ہوئے کہ امام زہری کا اندازہ ہے۔ سات سو معززین و اشراف

تھے۔ اور دس ہزار عوام الناس مارے گئے۔ پھر اس نے یہ سب کچھ کرنے کے بعد اپنے کارناموں پر فخر کرتے ہوئے۔ یزید کو خط لکھا جس کے چند فقرے یہ تھے۔

"پھر ہم نے ان پر گھوڑے دوڑا دیئے۔ ظہر کی نماز مدینے کی مسجد میں پڑھی۔ مگر اس وقت جب ہزاروں ہزار کو تہ تیغ کر لیا۔ بری طرح تباہ و برباد کیا۔ سب کو تلواروں پر دھر لیا جو بھی سامنے آیا۔ اسے تہ تیغ کیا جس نے بھی بھاگنے کی کوشش کی اس کا پیچھا کیا۔ جو زخموں سے جاں بلب تھا اس کا کام تمام کیا مدینے کو تین دن تک لوٹتے رہے جیسا کہ امیر المومنین نے حکم دے رکھا تھا۔ اور فرزندان عثمان شہید کے گھروں پر آنچ نہ آنے دی ... اس خدا کا شکر کہ جس نے پرانے مخالفین اور قدیمی منافقین کو قتل کرنے پر میرے سینے کو شفا بخشی ان کی سرکشی حد سے زیادہ بڑھ چکی تھی اور یہ بہت پرانے باغی تھے میں یہ خط لکھ رہا ہوں اور میں سعید بن عاص کے گھر میں بیمار اور صاحب فراش ہوں بچنے کی امید نہیں معلوم ہوتی۔ لیکن اب آج کے بعد مجھے موت کی کوئی پروا نہیں۔

یہ سارا کینہ و عناد اور بغض و عداوت جو ان گندہ و ناپاک فطرتوں میں جوش زن تھا حقیقتہً وہی کینہ و عناد تھا جو ہر درندہ صفت انسان میں ہوا کرتا ہے یوں سمجھئے کو وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ ہمارا یہ کینہ و عناد

انتقام خون عثمان میں ہے یا یزید کی حکومت کے مخالفین کے خلاف ہے۔

عبیداللہ بن زیاد جیسا کہ سب جانتے ہیں قریش میں بہت بدنام اور متہم نسب کا تھا کیونکہ اس کے باپ زیاد کے متعلق یقینی طور پر کسی کو نہیں معلوم کہ کس کی اولاد ہے ـــــ اور اس کا باپ کون ہے۔ معاویہ نے اپنا کام نکالنے کے لیے زیاد کو اپنا بھائی بنا لیا تھا۔ کیونکہ جب زیاد سن رشد کو پہونچا اور حکومت وقت کے بعض کاموں کی انجام دہی میں اس کی شہرت ہوئی تو ابوسفیان نے دعویٰ کیا کہ ایک مرتبہ میں نے طائف میں شراب پی اور کسی بیسوا عورت کا طلب گار ہوا سمیّہ نام کی ایک کنیز میرے پاس لائی گئی زیاد کے پیدا ہونے پر اس عورت نے دعویٰ کیا کہ اسی رات میں ابوسفیان سے حاملہ ہوئی تھی۔

خود عبیداللہ بن زیاد کی ماں ایک مجوسیہ کنیز تھی۔ جس کا نام مرجانہ تھا۔ اسی وجہ سے لوگ ابن زیاد کو عیب لگاتے اور ابن مرجانہ کہہ کر یاد کرتے۔

اس پیدائشی خرابی اور نسبی پستی کی وجہ سے جو عرب والوں کے نزدیک نحوست کمینگی اور پست فطرتی کی دلیل ہے۔ اس کی زبان میں لکنت اور اس کا ہکلا پن تھا۔ حروف عربیہ کو ٹھیک سے ادا کرنے پر قادر نہ تھا۔ حروری کے بجائے ہروری کہتا جس کی وجہ سے جو سنتا ہنس پڑتا ایک مرتبہ اس نے کہنا چاہا اشہروا سیوفکم اپنی تلواریں

کھینچ لو تو بجائے اس کے اس کی زبان سے نکلا فتحو اسیو نکم اپنی تلوار کھول لو۔ یزید بن مفرغ نے ہجو کرتے ہوئے کہا دیو م فتحت سیفک من بعید اصنعت وکل امولک للضیاع۔ یعنی جس دن کہ تم نے دور سے اپنی تلوار کھولی سب کچھ ضائع کیا اور تمہارا ہر کام برباد ہوا۔

غصہ و برہمی کے وقت ہاتھ پیر کاٹ ڈالنا، سر اڑا دینے کا حکم دینا اس کے نزدیک معمولی بات تھی خواہ کوئی سبب ہو یا نہ ہو۔ جناب مسلم ابن عقیل نے کیا خوب کہا تھا اس کے متعلق۔

"وہ محض غیظ و غضب عداوت و بدگمانی کی بناء پر ایسے نفوس کو ہلاک کرتا ہے جن کا ہلاک کرنا خداوند عالم نے حرام قرار دیا ہے۔ اور اس عالم میں وہ اپنے لہو و لعب میں مصروف رہتا ہے جیسے اس نے کچھ کیا ہی نہیں" اس کی درندگی و خونخواری اس روز پوری طرح منظر عام پر آگئی۔ جب اسے حسین سے جنگ کرنے پر مامور کیا گیا۔ اس لیے کہ اس وقت وہ ۲۸ برس کی عمر کا تھا۔ جوانی کی حدت اپنی انتہا پر تھی۔ یزید کو عبیداللہ بن زیاد سے بھی نفرت تھی اور اس کے باپ زیاد سے بھی کیونکہ زیاد نے معاویہ کو مشورہ دیا تھا۔ کہ یزید کی بیعت لینے میں عجلت اور جلدی سے کام نہ لیجئے اسی بناء پر عبیداللہ بن زیاد کو انتہائی طمع تھی کہ یزید کے دل میں جو ہماری طرف سے گرہ بیٹھ گئی ہے اور جو شبہ پیدا ہو گیا ہے وہ دور ہو جائے یقین آجائے کہ ہم اس کی حکومت کے سب سے بڑے حمائتی اور اس کے مخالفین کے سب

سے بڑے دشمن ہیں لیکن دوسرے طرفداران یزید جن کی فطرت وسرشت ابن زیاد وغیرہ کی طرح مسخ نہ ہوئی تھی انھیں بھی عہدہ ومنصب مال ومتاع اور لذائذ دنیوی کی طمع وحرص نے اس درجہ پر پہونچا دیا تھا کہ ان کی طبیعتیں بھی درندہ صفت انسانوں ہی جیسی ہوگئی تھیں فطرتیں مسخ آنکھیں کور اور حقائق کے متعلق غلط فہمی کے شکار عمر ابن سعد اسی قبیل کا تھا۔ اس نے حسین سے جنگ کرنے میں ابن زیاد کی اطاعت کی اور نتیجہ وانجام کار کی ہولناکی وشر منا کی پر قطعی دھیان نہ دیا۔ اسے کسی نے حسین سے جنگ کرنے پر مجبور نہیں کیا تھا چاہتا تو قتل حسین سے اپنے کو بہت آسانی سے محفوظ رکھ سکتا تھا۔ ابن زیاد نے اسے لالچ دلائی تھی کہ اگر تم حسین سے جنگ کروگے تو تمہیں رے کا حاکم مقرر کردیا جائے گا۔ ایران کا یہ شہر قدیمی شاہان فارس کے نزدیک تاج شاہی کے گوہر تابندہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ جس دن سے سعد ابن ابی وقاص نے اس ملک کو فتح کیا تھا اسی دن سے عمر سعد کے دل میں تمنا تھی کہ کاش اس شہر پر ہماری حکومت ہوتی۔ حسین کے قتل پر اپنے نفس کو آمادہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔

فواللہ ما ادری وانی لحائر	افکونی امری علی خطرین
اترک ملک الری والری منیتی	ام ارجع ماثوما بقتل حسین
وفی قتلہ النار التی لیس دونھا	حجاب وملک الری قرۃ عینی

خدا کی قسم میری سمجھ میں نہیں آتا میں دو اہم باتوں میں انتہائی فکرمند

اور حیران و سرگشتہ ہوں۔ کیا ملک رے کا خیال چھوڑ دوں حالانکہ رے میری دلی تمنا ہے۔ یا حسین کو قتل کرنے کا گناہ اپنے سر لوں حسین کے قتل میں آتش جہنم ہے۔ جس سے کوئی چیز بچانے والی نہیں اور ملک رے مری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

اگر یہ اشعار عمر سعد نے اپنی زبان سے نہ بھی کہے ہوں تب بھی اس کے زبان حال کے اشعار ضرور ہیں کیونکہ ان اشعار میں ایسی حقیقت مذکور ہے۔ جس میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ نیز اس حقیقت و واقعہ میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ عمر ابن سعد کے مزاج میں ایسی قساوت اور اس کی طینت و سرشت ایسی پلید و ناپاک تھی کہ وہ بے سبب بے ضرورت بعد قتل حسین ان کی عورتوں۔ بہنوں بیٹیوں کو اسیر کر کے اس طرف سے لے کر گیا۔ جس طرف ان کے والیوں کے جسد ہائے بے سر خاک و خون میں غلطاں زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ اس دل کو خون کر دینے والے منظر کو دیکھ کر عورتوں کو تاب صبر نہ رہی سب کے منہ سے چیخیں نکل پڑیں اور اس طرح انھوں نے فریاد کی کہ عمر سعد کے لشکر والوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حالانکہ وہی قاتلان حسین تھے۔

اس قسم کے لوگ سیاست مندان حکومت کہے جانے کے ہرگز مستحق نہیں یہ لوگ تو جلاد اور آدمی کے بھیس میں درندے تھے جو کچھ کرتے اپنے بغض و عناد کے اشارے پر ان کی نگاہ صرف مال و دولت

پر تھی یا ان وعدوں پر جو ان سے کیے جاتے ان کی حرکتوں کو سفاکی درندگی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ انھیں سوائے آدم کشی اور خون ریزی کے اور کسی چیز سے مطلب نہ تھا۔ غرضکہ یزید کو اعوان و انصار ایسے ملے تھے جو حقیقتہً جلاد تھے روپیہ پیسہ کے لیے خون آشام درندوں سے بڑھ کر خلقت کا خون بہاتے تھے۔ اور حسین کے اعوان و انصار وہ شہدائے راہ حق تھے جو روحانیت کی راہ میں ساری دنیا قربان کر دیتے تھے گویا کربلا کی جنگ شہیدوں اور جلادوں کی جنگ تھی۔

عزم حسینی

یزید نے اپنے باپ کی وصیت پر پوری طرح عمل کیا۔ تخت حکومت پر قدم رکھتے ہی اگر اسے کوئی فکر رہی تو بس صرف یہ کہ جس طرح بن پڑے حسین ابن علی اور عبد اللہ بن زبیر سے بیعت لی جائے جنھوں نے اس کے باپ معاویہ کی زندگی میں اس کی بیعت سے انکار کر دیا تھا اس وقت مدینہ کا حاکم ولید بن عتبہ بن ابی سفیان تھا۔ یزید نے ولید کو باپ کے مرنے کی اطلاع بھیجی اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ جن لوگوں نے میری بیعت سے انکار کیا تھا ان سے سختی سے بیعت کا تقاضا کیا جائے۔ ولید نے مروان کو بلا کر مشورہ لیا۔ مروان نے ایسا مشورہ دیا کہ جس میں اس کا اخلاص اور بدنیتی دونوں شامل تھیں اس نے کہا کہ حسین ابن علی اور ابن زبیر کو فوراً بلا بھیجو۔ اگر وہ

بیعت کرلیں تب تو ٹھیک ہے ورنہ ان کی گردن اڑا دو۔ مروان کی موجودگی میں حسین اور ولید میں جو گفتگو ہوئی اسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ حسین اپنے گھر واپس آگئے اور طے کر لیا کہ مدینہ چھوڑ کر مکہ چلے جائیں گے۔ جیسا کہ ابن زبیر پہلے جا چکے تھے وہ ۶۰ھ کے ۲۸ رجب کو مدینہ سے روانہ ہوئے ان کے ہمراہ ان کے تمام گھر والے اور بھائی بھتیجے تھے مدینہ سے مکہ تک کا سفر انھوں نے عام راستہ سے کیا۔ ابن زبیر کی طرح اصل راستہ چھوڑ کر ادھر ادھر کتراتے ہوئے روانہ نہیں ہوئے بلکہ سیدھے راستے سے چلے معاویہ نے ان دونوں کے متعلق جو پیش بینی کی تھی۔ وہ بالکل صحیح ثابت ہوئی۔

جب تک آپ مکہ نہیں پہونچے تھے۔ بہت سے لوگ امیدوار خلافت تھے اور ہر ایک کے گرد ایک حلقہ تھا جیسے عبداللہ بن زبیر مگر آپ کی تشریف آوری کے بعد سارے حلقے لوٹ کر آپ کے گرد آگئے۔ ابن زبیر روزانہ خانۂ کعبہ کا چکر لگاتے اور صبح و شام آپ کی خدمت میں حاضری دیتے یہ معلوم کرنے کے لیے کہ آپ کے منصوبے کیا ہیں اور حجاز و عراق اور دیگر ممالک اسلامیہ کے آپ کے بارے میں کیا خیالات ہیں۔ چار مہینہ تک آپ مکہ میں مقیم رہے ہر لمحہ اور ہر ساعت مسلمانوں کی طرف سے آپ کو پیام پہونچے کہ آپ خلافت کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور لوگوں سے اپنی بیعت

لیں خصوصیت کے ساتھ کوفہ اور مضافات کوفہ کے باشندوں کا سب سے زیادہ اصرار تھا۔ کوفہ والوں نے آپ کو لکھا کہ یہاں ایک لاکھ آدمی آپ کی حمایت ونصرت پر کمر بستہ ہیں انھوں نے اپنے خط میں انتہائی اصرار کیا تھا کہ جلد سے جلد اٹھ کھڑے ہوئیے حسینؑ اس پوری مدت میں متردد رہے کہ ان بے شمار خطوط اور مسلسل طلبی پر کیا طرز عمل اختیار کریں۔ آپ نے مناسب سمجھا کہ ابھی توقف سے کام لیا جائے تاوقتیکہ کوفہ والوں کی صحیح کیفیت معلوم ہو جائے اور یہ پتہ چل جائے کہ وہ اپنے وعدوں پر کس حد تک ثابت قدم رہیں گے۔ آپ کی رائے ہوئی کہ پہلے اپنے چچازاد بھائی مسلم ابن عقیل کو کوفہ بھیجیں وہ جا کر موقع اور حالات کے لحاظ سے بیعت کی راہ ہموار کریں۔ مسلم ابن عقیل کو بھیجنے سے پہلے آپ نے کوفہ والوں کو ایک خط لکھا جس میں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حسین بن علی کی طرف سے مومنین و مسلمین کے گروہ کی طرف۔ ہانی وسعید میرے پاس تمہارے خطوط لے کر پہونچے۔ یہ دونوں تمہارے آخری قاصد ہیں جو میرے پاس آئے تم نے جو باتیں بیان کی ہیں اور جن امور کا ذکر کیا ہے۔ انھیں میں سمجھا۔ تمہارے معزز لوگوں کا یہ قول ہے کہ ہمارا کوئی امام نہیں جلد تشریف لائیے کہ خدا آپ کی بدولت ہمیں ہدایت نصیب کرے اب میں تمہاری طرف اپنے بھائی چچا کے بیٹے اور اپنے اہلبیت میں بھروسے

کے لائق شخص (مسلم ابن عقیل) کو بھیجتا ہوں اگر انھوں نے وہاں پہونچ کر لکھا کہ تمہارے معززافراد اور صاحبان عقل وخرد کی رائے بھی وہی ہے جو تمہارے قاصدوں نے آکر بیان کی ہے۔ اور جیسے میں نے تمہارے خطوں میں پڑھا ہے۔ تو میں جلد ہی تمہارے پاس پہونچ جاؤں گا۔ میری زندگی کی قسم امام بس وہی ہے جو ازروئے کتاب الہی فیصلہ کرنے والا انصاف قائم کرنے والا خدا کے دین کا پابند اور اپنے نفس کا محاسبہ کرنے والا ہو۔ والسلام۔

پھر حسین کو خبر ملی کہ مسلم کوفہ پہونچ چکے ہیں۔ اور ان کے ہاتھ پر بارہ ہزار باشندگان کوفہ نے بیعت کرلی ہے بعض روائتوں میں ۱۸ ہزار کی تعداد مذکور ہے۔ آپ کا ارادہ ہوا کہ قبل اس کے کہ یہ شیرازہ بکھرے اور انتظار کی مدت طولانی ہو ہم کوفہ پہنچ جائیں آپ نے اپنے مخصوص ہمدردوں اور گھر والوں پر اس ارادہ کو ظاہر کیا ان لوگوں نے مختلف مشورے دیئے بعض نے تو عراق جانے کی تائید کی بعض نے کہا کہ عراق چھوڑ کر کسی اور طرف چلے چلیئے۔

محمد بن حنفیہ جو مدینہ ہی میں رہ گئے تھے۔ کی رائے تھی کہ آپ اپنے قاصد مختلف شہروں کو روانہ کیجئے اور لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت دیجئے۔ اگر سب نے آپ کی بیعت پر اتفاق کرلیا تو کیا کہنا اور اگر انھوں نے آپ کی بیعت کے علاوہ کوئی اور بات طے کی تو آپ کا کوئی نقصان نہ ہوگا۔ آپ کا جو درجہ اور منزلت ہے۔ وہ بہرحال

اپنی جگہ پر مسلّم ہے۔

عبداللہ بن زبیر یہ مشورہ دیا کرتے تھے اگر آپ کا جی چاہے تو حجاز میں رہیئے ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔ آپ کی بعیت کریں گے اور اگر آپ حجاز میں بعیت لینا نہیں چاہتے تو اسے ہم پر چھوڑ دیجیے آپ کی ہر حال میں اطاعت کی جائے گی اور آپ کا حکم ٹالا نہ جائے گا۔

اکثر مورخین کا نظریہ یہ ہے کہ ابن زبیر کی خیر خواہی محض دکھاوے کی تھی منجملہ ان مورخین کے ابوالفرج اصبہانی بھی ہے وہ لکھتا ہے۔

عبداللہ بن زبیر کے لئے مکہ میں حسین کی موجودگی سے بڑھ کر کوئی چیز شاق نہ تھی انکی دلی تمنا تھی کہ حسین عراق کیطرف روانہ ہوجائیں تاکہ حجاز پر ہم قابض ہو بیٹھیں۔ اور یہ اسی وقت ممکن تھا کہ جب حسین مکہ سے رخصت ہو جائیں۔

عبداللہ بن زبیر حسین سے ملے اور پوچھا۔ ابو عبداللہ کہئے کیا طے کیا آپ نے ؟ آپ نے انھیں بتایا کہ میں کوفہ جانے کا قصد کر رہا ہوں۔ مسلم ابن عقیل نے وہاں سے جو خط لکھا تھا۔ اس کے مضمون سے بھی آگاہ کیا ابن زبیر نے کہا کہ تو پھر توقف کا ہے کا۔ خدا کی قسم اگر آپ کی طرح عراق میں میرے بھی شیعہ ہوتے تب میں ذرا بھی سستی سے کام نہ لیتا۔

غالباً اس معاملہ میں زیادہ ہمدرد وہی خواہ عبداللہ بن عباس تھے کیونکہ انھیں حسین سے رشتہ داری بھی تھی۔ اور وہ مرد ہوشیار

باتدبیر بھی تھے۔ انھوں نے امام حسین سے پوچھا لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ عراق جانے والے ہیں یہ بات کہاں تک سچ ہے۔

امام حسین نے فرمایا ہاں میں آج ہی کل میں جانا طے کر چکا ہوں

ابن عباس نے آپ کو خدا کا واسطہ دیا اور کہا

میں ڈرتا ہوں کہ کہیں آپ اس سفر میں ہلاک نہ ہو جائیں عراق والے ہمیشہ کے بے وفا ہیں۔ آپ اسی شہر میں مقیم رہیئے۔ آپ حجاز والوں کے سید و سردار ہیں۔ اگر عراق والے واقعاً آپ کو چاہتے ہیں تو انھیں سب سے پہلے چاہیئے کہ دشمن کو اپنے یہاں سے نکال باہر کریں۔ پھر آپ تشریف لے جایئے۔ وہاں بہت سے قلعے ہیں گھاٹیاں ہیں اور آپ کے پدر بزرگوار کے وہاں شیعہ بھی ہیں۔

حسین نے کہا کہ چچا جان میں جانتا ہوں کہ آپ خیر خواہ اور ہمدرد ہیں لیکن میں روانگی کا پختہ ارادہ کر چکا ہوں۔

ابن عباس نے کہا اگر آپ جانے ہی پر تلے ہیں تو اپنے لڑکوں عورتوں اور بہنوں کو تو نہ لے جایئے کیونکہ آپ ضرور شہید ہوں گے اور شام والے آپ سے عثمان کا انتقام لینے کی کوشش کریں گے[1]

---

[1] امام نے عبداللہ بن عباس کے اس فقرہ کا جو جواب دیا عقاد نے نہ جانے کیوں حذف کر دیا۔ صاحب ذکری الحسین نے امام کی یہ لفظیں نقل کی ہیں یا ابن العم انی رائت رسول اللہ فی منامی وقد امرنی بامر لا اقدر علی خلافہ وانہ امرنی باخذہن معی اے ابن عباس میں نے پیغمبر کو خواب میں دیکھا ہے آپ نے

سفرِ عراق

امام حسین ۸ ذی الحجہ کو مکہ سے روانہ ہوگئے۔ آپ نے عید قربان کا بھی انتظار نہیں کیا۔ کیونکہ کوفہ میں بیعت کی رفتار اور اس کی خبروں نے آپ کو آمادہ کیا کہ قبل اس کے کہ یہ شیرازہ منتشر ہو آپ وہاں پہونچ جائیں۔ مسلم ابن عقیل کے کوفہ پہونچنے پر ہزاروں ہزار آدمیوں نے آکر آپ کے ہاتھ پر امام حسین کی بیعت کی۔ ابن کثیر کے اندازہ میں بیعت کرنے والوں کی تعداد ۱۸ ہزار تھی اور ابن قتیبہ کے اندازہ کے مطابق ۳۰ ہزار۔

نعمان بن بشیر انصاری گورنر کوفہ کے خوف و ہراس کا ٹھکانہ نہ تھا اسکے سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ مسلم کے ساتھ کس طرح پیش آئے۔ مسلم کے پیرووں کی تعداد روزانہ بڑھتی جاتی تھی۔ وہ منبر پر گیا۔ اس نے تقریر کرتے ہوئے کہا۔ جب تک مجھ سے کوئی جنگ پر آمادہ نہ ہوگا۔ میں اس سے جنگ نہ کروں گا نہ کسی پر اس وقت تک حملہ آور ہوں گا۔ جب تک وہ مجھ پر حملہ آور نہ ہو"۔ بنی امیہ کے حمائتی دوڑے ہوئے

لہ البقیہ صفحہ ۹۷) جو مجھے حکم دیا ہے اس کے خلاف میں نہیں کر سکتا آنحضرت نے مجھے حکم دیا ہے کہ میرے ساتھ جو لوگ ہیں انھیں اپنے ساتھ ہی لے جاؤں۔

یزید کے پاس پہونچے اور کوفہ میں جو واقعات ہو رہے تھے۔ اس سے بیان کیے معاویہ کے غلام سرجون رومی نے یزید کو مشورہ دیا کہ فوراً ہی نعمان کو وہاں سے معزول کر کے عبید اللہ بن زیاد کو وہاں کا حاکم مقرر کر دیجئے اور بصرہ کو بھی اس کے تحت رہنے دیجئے جس کا اس وقت حاکم ہے۔

عبید اللہ بن زیاد کوفہ پہونچا آتے ہی اس نے پہلا کام یہ کیا کہ شہر کوفہ کے نمبرداروں اور محلوں کے سرداروں کو اپنے پاس بلایا اور انھیں تاکید کی کہ کوفہ میں جتنے اجنبی آدمی ہیں ان کی فہرست پیش کرو۔۔ کوفہ کے قبائل میں جتنے آدمی ایسے ہیں جن کی امیر المومنین کو ضرورت ہے جتنے خوارج اور مشکوک آدمی ہیں ان کے نام لکھ کر ہمارے پاس لاؤ اور دھمکی دی کہ جس نمبردار کے حلقہ میں کوئی ایسا شخص پایا جائے گا۔ جس کی حکومت کو تلاش ہے اور اس نمبردار نے اسے خود لا کر ہمارے سامنے حاضر نہ کیا اسے اس کے دروازے ہی پر سولی دے دی جائے گی۔ اور اس کا نام نمبرداری سے کاٹ دیا جائے گا۔

اس سے فارغ ہو کر اس نے کوفہ میں جو سر بر آوردہ شیعیان حسین تھے ان کی تلاش شروع کی تاکہ ان کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس طرح ان کے بھید کو معلوم کرے اس نے ان لوگوں کے متعلق دریافت کیا جو اس سے ملنے نہ آئے تھے ان میں نمایاں شخصیت ہانی بن عروہ کی تھی بتایا گیا کہ وہ بیمار ہیں۔ گھر سے باہر

نہیں نکلتے اور ہانی بیمار بنے ہوئے تھے تاکہ ابن زیاد کی ملاقات کو جانا نہ پڑے نہ اسے سلام کرنا پڑے۔

ابن زیاد خود ان کے یہاں گیا ان کی مزاج پرسی کی باتیں کیں روایتیں بتاتی ہیں کہ اس موقع پر مسلم کو مشورہ دیا گیا کہ ابن زیاد ہانی کی عیادت کو آرہا ہے۔ آپ نکل کر اسے قتل کر ڈالیے مسلم کی حمیت نے گوارا نہ کیا کہ دھوکے سے اسے قتل کریں۔ سبحان اللہ !

ابن کثیر کی عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ عبید اللہ بن زیاد، شریک ابن اعور کی عیادت کو گیا شریک بیمار تھے اور انھیں خبر ملی تھی کہ ابن زیاد ان کی عیادت کو آنے والا ہے۔ انھوں نے ہانی بن عروہ سے کہلا بھیجا کہ مسلم کو ہمارے یہاں بھیجدو ابن زیاد ہماری عیادت کو آنے والا ہے۔ موقع غنیمت ہے وہ ابن زیاد کو قتل کر ڈالیں مسلم نے دھوکہ سے ابن زیاد کو قتل کرنا پسند نہ کیا۔ شریک نے جب وجہ پوچھی تو کہا کہ میں نے حضرت رسالتمآب کی حدیث سن رکھی ہے کہ مومن شخص کسی کو دھوکے سے قتل نہیں کرتا۔ مجھے گوارا نہ ہوا کہ ابن زیاد کو تمہارے گھر میں قتل کروں۔ شریک نے کہا اگر آپ ابن زیاد کو قتل کر ڈالے ہوتے تو پھر آپ ہر طرح محفوظ ہو جاتے کوئی شخص بھی آپ کی طرف دست درازی کرنے کی ہمت نہیں کرتا۔ میں بصرہ کی طرف سے بھی آپ کو مطمئن کر دیتا۔ پھر اگر آپ قتل کرتے تو ایک ظالم و بدکار کو قتل کرتے۔ شریک تین دن کے بعد انتقال کر گئے۔

ان دنوں میں جو واقعات پیش آئے ان کے متعلق مختلف باتیں بیان کی جاتی ہیں کیونکہ واقعات کثرت سے اور مسلسل پیش آئے ان کے بیان کرنے والے بھی بے شمار ہیں اور جن لوگوں نے ان واقعات میں حصہ لیا ان کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی۔ یہ بات بہرحال پایۂ ثبوت کو پہونچی ہوئی ہے کہ عبید اللہ بن زیاد کو مسلم اور پیروان مسلم پر غالب آنے میں لوہے لگ گئے ایک مرتبہ تو یہ نوبت آگئی تھی کہ وہ مسجد سے بھاگ نکلا کیونکہ لوگوں نے مسلم کو آتے دیکھ لیا وہ چیخ پڑے ابن زیاد مسجد چھوڑ کر بھاگا جا کر دار الامارہ میں پناہ لی اور تمام دروازے بند کرا دیئے۔ لعنت اللہ لپسر فرزند رانیہ

مسلم کے پاس ان کے ہمدردوں کی ۴ ہزار تعداد اکٹھا ہو گئی انھوں نے یا منصور امت اپنے شیعوں کا نعرہ قرار دیا اور منادی کو حکم دیا کہ اس نعرے کا اعلان کر دے پھر آپ دار الامارہ کی طرف بڑھے ساتھ میں اتنے لوگ تھے جیسے ایک پورا لشکر ہو۔

دار الامارہ میں اس وقت صرف ۳۰ سپاہی تھے اور ۲۰ باشندگان کوفہ ابن زیاد کو اپنی موت سامنے نظر آنے لگی اسے یقین تھا کہ یزید کے پاس سے کمک آنے بھی نہ پائے گی کہ مسلم میرا کام تمام کر دیں گے لیکن اس نے ہوش و حواس جانے نہ دیئے اس نے ان تمام حیلوں سے کام لیا جن سے کام لینا ممکن تھا اس نے اپنے ہوا خواہوں کو کوفہ کے ہر جانب روانہ کر دیا کہ لوگوں کو مسلم کا ساتھ دینے سے

ڈرائیں اور ہمارا ساتھ دینے پر انعام واکرام کی امیدیں دلائیں ان
ہوا خواہوں نے جا کر پروپیگنڈا کرنا شروع کیا کہ یزید کا لشکر شام
سے پہونچا ہی چاہتا ہے لوگوں کو دھمکیاں دیں کہ تمہاری تنخواہیں
بند کر دی جائیں گی۔ اور قصوا داروں کے بدلے بے قصوروں کو غائب
کے بدلے حاضر کو گرفتار کیا جائے گا۔ جہاں ضرورت سمجھی انھوں
نے درہم و دنیار کی بارشیں بھی کیں اور جہاں صرف وعدوں سے
کام نکل سکتا تھا۔ وہاں لمبے چوڑے وعدے کیے۔

مسلم ابن عقیل کی شہادت

ابن زیاد کے اعوان و انصار نے ہر ممکن حیلہ و تدبیر سے لوگوں
کو مسلم سے الگ کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ انھوں نے بیوی کو شوہر
کے پیچھے روانہ کیا۔ ماں کو لڑکوں کے پیچھے۔ بھائی کو بھائی کے پیچھے
کہ جا کر انھیں روکو اور مسلم کا ساتھ دینے سے باز رکھو یہ لوگ جا کر
اپنے عزیزوں کے پیچھے پڑ جاتے اور گھیر کر گھر واپس لاتے یا علیہ اللہ
کے لشکر میں لا داخل کرتے۔

آفتاب غروب ہونے پر مسلم نے اپنے گرد نظر ڈالی تو دیکھا کہ
چار ہزار کی جگہ صرف ۵۰۰ رہ گئے ہیں۔ پھر آپ نے مغرب کی نماز
پڑھی اس وقت جب نظر کی تو صرف ۳۰ آدمی باقی رہ گئے تھے
وہ بھی رات کی تاریکی میں چپکے سے کھسک گئے اور مسلم مسجد میں

تنہا رہ گئے۔ کوئی ایسا بھی باقی نہ رہا۔ جو مسلم کو کسی محفوظ جگہ کا پتہ نشان بتا سکے۔

عبیداللہ ابن زیاد دارالامارہ کی چھت پر شور و ہنگامہ پر کان لگائے بیٹھا تھا۔ جب شور و ہنگامہ دھیرے دھیرے ختم ہوگیا اور سناٹا چھا گیا تو اس نے اپنے آدمیوں سے کہا دیکھو مجمع اب بھی باقی ہے یا نہیں لوگوں نے ادھر ادھر نظر دوڑائی کوئی نظر نہ آیا نہ کوئی آواز سنائی دی۔ وہ سمجھے کہ کہیں یہ جنگی چال نہ ہو اور لوگ تاریکی میں چھپے نہ بیٹھے ہوں۔ قندیلیں اور مشعلیں روشن کرکے کوٹھے سے نیچے لٹکائی گئیں۔ جب کوئی بھی دکھائی نہ دیا تو اطمینان ہوا کہ مسجد خالی ہو چکی ہے اور مسلم اور ان کے ساتھی یہاں سے رخصت ہو چکے ہیں۔ اس نے فوراً ہی نماز جماعت کا اعلان کر دیا اور منادیوں کو حکم دیا کہ کوفہ کے گلی کوچوں میں اعلان کر دیں کہ "جتنے پولیس والے ہیں محلوں کے نمبردار ہیں جنگی سپاہی ہیں۔ معززین و اشراف ہیں سب عشا کی نماز مسجد میں آکر پڑھیں ورنہ ہم ان کے ذمہ دار نہیں"

مسجد میں تل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔ ساری آبادی کوفہ کی سمٹ آئی ابن زیاد نے اپنے پیچھے سپاہی کھڑے کئے لوگوں کو نماز پڑھائی نماز کے بعد تقریر کرتے ہوئے اس نے کہا۔

"جس کے گھر میں بھی مسلم ابن عقیل پائے گئے ہیں اس سے

بری الذمہ ہوں"

اپنے پولیس افسر حصین بن نمیر کو ڈپٹ کر کہا، حصین بن نمیر! اگر مسلم کوفہ کے دروازے سے نکل گئے اور تم گرفتار کر کے نہ لائے تو تمہاری ماں تمہارے ماتم میں بیٹھے کوفہ کے تمام گھروں پر تمہیں مسلط کرتا ہوں ہر راستہ پر اپنے جاسوس دوڑا دو اور صبح ہوتے ہی اس شخص (مسلم) کو میرے پاس گرفتار کر لاؤ۔ تھوڑی ہی دیر میں مسلم ابن عقیل گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس لائے گئے۔ انھوں نے حتی الامکان پولیس والوں سے جنگ کی۔ مگر ایک اکیلے ہزاروں کا کیا مقابلہ کر سکتے تھے۔ وہ زخموں سے چور چور پیاس سے جاں بہ لب دارالامارہ میں پہونچے ایک مٹکے میں پانی رکھا تھا۔ پینا چاہا ابن زیاد کے کسی ساتھی نے کہا کہ خدا کی قسم تم اس پانی کا ایک قطرہ تک چکھنے نہ پاؤگے یہاں تک کہ آتش جہنم کا مزا چکھو۔ عمر ابن حریث کو اس شخص کی قساوت پسند نہ آئی وہ صراحی اور کٹورہ لیے ہوئے مسلم کے پاس آیا۔ کٹورے میں پانی انڈیل کر مسلم کو دیا مگر جب انھوں پیالے کو منہ سے لگانا چاہا چہرے کے زخم سے اتنا خون بہا کہ پانی خون سے ممزوج ہو گیا اس پانی میں آپ کے دانت بھی گر پڑے جو جنگ کرتے میں شہید ہو چکے تھے۔ اور آپ نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اور فرمایا۔ اگر رزق دنیا میری قسمت میں ہوتا تو میں یہ پانی پی لیتا۔

آپ عبید اللہ بن زیاد کے پاس لے جائے گئے اس کے حکم

نشینوں پر نظر کی تو عمر ابن سعد بھی دکھائی دیا۔ اسے قرابت کا واسطہ دیا اور اپنے مرنے کے بعد کے لیے چند وصیتیں کرنا چاہیں عمر سعد نے اولاً انکار کیا پھر عبید اللہ کی اجازت پا کر ان کے قریب آیا مسلم نے وصیت فرمائی کہ کوفہ میں ۷۰۰ درہم کا مقروض ہو گیا ہوں میری زرہ اور تلوار بیچ کر میرا قرضہ ادا کر دینا۔ دوسری وصیت یہ ہے کہ کسی کو بھیج کر امام حسین کو منع کر دینا کہ آپ ادھر کوفہ تشریف نہ لائیں میں انھیں لکھ چکا ہوں کہ لوگوں کی ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں مجھے یقین ہے کہ وہ میرا خط پا کر چل کھڑے ہوئے ہوں گے

عمر ابن سعد نے ابن زیاد کے پاس آکر وہ ساری وصیتیں دہرا دیں پھر ابن زیاد نے بکیر بن حمران کو بلا کر مسلم کو اس کے حوالے کیا اور کہا لے جا کر قتل کر دے۔ بکیر انھیں لے کر بام قصر پر پہونچا مجمع کو دکھا کر ان کے سر پر تلوار ماری ان کا سر کٹ کر نیچے گرا بعد میں آپ کا جسم بھی نیچے پھینکدیا گیا۔ پھر وہ سر دیگر معززین کوفہ کے سروں کے ساتھ یزید کے پاس بھیجا گیا۔ جن کے پاس مسلم آکر مقیم ہوئے تھے۔ انھیں میں ہانی بن عروہ بھی تھے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

ناکامی کے آثار

جناب مسلم نو ذی الحجہ کو شہید ہوئے امام حسینؑ ایک دن پہلے ہی ۸ ذی الحجہ کو مکہ سے روانہ ہو چکے تھے آپ کو مسلم کی شہادت کی خبر

اس وقت ملی جب آپ کوفہ کے بالکل قریب پہونچ چکے تھے۔ جب
آپ کوفے کے حدود میں داخل ہوئے تو آپ نے چاہا کہ عراق میں
داخل ہونے سے پہلے ایک مرتبہ اور اطمینان کرلیں آپ نے قیس
بن مسہر صیداوی کو خط دے کر باشندگان کوفہ کی طرف روانہ کیا
خط میں آپ نے اپنی تشریف آوری کی خبر دی تھی اور لکھا تھا کہ
تم لوگ مدد دینے پر تیار رہو۔ قیس قادسیہ پہونچے عبیداللہ بن زیاد
نے وہاں اپنے آدمی پہلے سے بٹھا رکھے تھے قیس جیسے ہی پہونچے گرفتار کر لیے گئے
اور عبیداللہ بن زیاد کے پاس لائے گئے عبیداللہ نے انھیں حکم دیا کہ بالائے
قصر جاکر (معاذاللہ) کذاب ابن کذاب حسین ابن علی پر سب و شتم کرو۔ اور لوگوں
کو ان کا ساتھ دینے سے منع کرو قیس بالاخانے پر گئے اور مجمع کو مخاطب
کر کے کہا "لوگو! حسین بن علی بہترین خلائق ہیں وہ فاطمہ بنت رسول کے
پارہ جگر ہیں۔ میں ان کا قاصد ہوں تمہارے پاس ان کا پیام
لے کر آیا ہوں انھیں میں نے مقام حاجر پر چھوڑا ہے انکی دعوت پر لبیک
کہو اور عبیداللہ ابن زیاد اور اس کے باپ زیاد پر لعنت کرو۔
ابن زیاد کے آدمیوں نے انھیں کوٹھے سے گرا دیا اور وہ
جاں بحق ہو گئے۔

ایسا ہی واقعہ عبداللہ بن یقطر کے ساتھ پیش آیا۔ انھوں نے
نے بھی حسین پر سب و شتم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور ابن زیاد
پر لعنت کی سپاہیوں نے انھیں کوٹھے سے گرا دیا ان کی ہڈیاں سرمہ

ہو گئیں مگر وہ مرے نہیں جس پر انھیں ذبح کر دیا گیا۔ حسین کی یہ کیفیت تھی کہ عراق سے جو آتا نظر پڑتا۔ اس سے حالات دریافت کرتے اور وہ حسین کے ایک نہ ایک قاصد کسی نہ کسی نقیب کی ہلاکت کی خبر سناتا۔ بعض ساتھیوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ یہاں سے پلٹ چلنا مناسب ہے۔ دوسرے لوگوں نے کہا کہ آپ میں اور مسلم میں فرق ہے۔ اگر آپ کوفے پہونچ جائیں گے۔ تو سب لوگ دوڑ کر آپ کے پاس آجائیں گے۔ اولاد عقیل نے قسم کھائی کہ ہم اس وقت تک واپس نہ پلٹیں گے جب تک کہ اپنا انتقام نہ لے لیں یا ہمارا بھی وہی انجام ہو جو مسلم کا ہوا۔

ان واقعات کے بعد حسین نے مناسب سمجھا کہ ساتھیوں کو اشتباہی کیفیت میں باقی نہ رکھا جائے جو بھی ہمارے ساتھ رہے اچھی طرح سوچ سمجھ کر رہے۔ اور موت کا یقین کرلے آپ نے تقریر فرماتے ہوئے کہا۔

ہمارے ہمدردوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ جو شخص جانا چاہے جا سکتا ہے ہم کسی کو مجبور نہیں کرتے۔

سارا مجمع آپ کے پاس سے چھٹ گیا۔ صرف آپ کے گھر والے رہ گئے اور گنتی کے وہ لوگ جو راستے سے آپ کے ساتھ ہو گئے تھے۔

حسینؑ اور حُر بن یزید

مقام ذی حسم پر حسینی قافلہ کی عبید اللہ بن زیاد کے لشکر سے مڈبھیر ہوئی، جس کی قیادت حر بن یزید کر رہے تھے۔ لشکر کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی۔ انھیں حکم دیا گیا تھا کہ حسینؑ کو چھوڑنا نہیں بلکہ انھیں نرغہ میں لے کر ابن زیاد کے پاس کوفہ تک لانا۔

حسینؑ نے اپنے موذن کو حکم دیا کہ نماز ظہر کے لیے اذان کہے نماز سے پہلے آپ نے اپنے اصحاب اور حر کے ساتھیوں کو خطاب کر کے فرمایا۔

لوگوں میں خود سے نہیں آیا۔ بلکہ اس وقت آیا جب تمہارے خطوط آئے اور تمہارے قاصد میرے پاس تمہارا پیام لے کر پہونچے کہ جلد تشریف لائیے۔ ہم بغیر امام کے ہیں۔ امید ہے کہ آپ کے آنے کے بعد خدا آپ کے ذریعہ ہمیں ہدایت اور راہ حق پر مجتمع کر دے اب اگر تم لوگ اپنی بات پر قائم ہو (اور میری ضرورت سمجھتے ہو۔) تو میں آگیا ہوں۔ مجھ سے عہد و پیمان اور قول و قرار کرو تاکہ مجھے اطمینان نصیب رہے اور اگر تم ایسا کرنا نہیں چاہتے اور میرا آنا تمھیں ناپسند ہے تو میں جہاں سے آیا ہوں، وہاں پلٹ جاؤں گا

کسی شخص نے آپ کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ آپ نے موذن کو اذان کا حکم دیا۔ اور حرؓ سے پوچھا تم اپنے ساتھیوں کے

ساتھ الگ نماز پڑھو گے۔ یں الگ یا تم بھی میرے ساتھ ہی پڑھو گے۔ حر نے جواب دیا ہم سب آپ کے ساتھ ہی پڑھیں گے۔

نماز کے بعد حسین نے مقام عذیب کا راستہ اختیار کیا حرؓ کا رسالہ آپ کے پیچھے پیچھے تھا۔ اور چاہتا تھا۔ کہ آپ کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس لے جائے اور جدھر آپ جانا چاہتے ہیں نہ جانے دے آپ نے حرؓ کے سپاہیوں کو وعظ و نصیحت کرتے ہوئے تقریر فرمائی۔

"اے لوگو پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص ایسے بادشاہ کو دیکھے جو ظالم اور حلال خدا کو حرام اور حرام خدا کو حلال سمجھنے والا عہد و پیمان الٰہی کو توڑنے والا سنت رسول کا مخالف اور بندگان خدا سے ظلم و جور کا برتاؤ کرنے والا ہو۔ اور اسے دیکھنے کے بعد نہ تو فعل سے اس کی مخالفت کرے نہ قول سے تو خداوند عالم پر فرض ہو گا جو اس بادشاہ کا ٹھکانہ ہو (یعنی جہنم) وہی اس کا بھی ٹھکانہ قرار دے دیکھو یہ لوگ (یعنی بنی امیہ) انھوں نے شیطان کی اطاعت اپنے لیے لازم کر لی اور خدا کی اطاعت سے منحرف ہو چکے ہیں۔ انھوں نے فساد پھیلایا حدود الٰہی معطل کر دیئے خراج سلطنت کو اپنا خاص مال قرار دے لیا۔ حرام خدا کو حلال اور حلال خدا کو حرام کیا ہے اور میں ان کے خلاف آواز بلند کرنے کا سب سے زیادہ حقدار ہوں کیونکہ مجھے پیغمبرؐ سے قرابت کا شرف حاصل ہے میرے پاس

تمہارے خطوط پہونچے اور تمہارے قاصد یہ پیغام لے کر آئے کہ تم نے میری بیعت کی ہے۔ اور یہ کہ تم مجھے تنہا نہ چھوڑو گے۔ اور نہ ترک نصرت کرو گے پس اگر تم نے جو میری بیعت کی ہے اس میں وفاداری سے کام لیا تو فائدہ میں رہو گے۔ میں حسین ہوں۔ علی کا فرزند فاطمہ بنت پیغمبر کا لال۔ میری جان تمہاری جان کے ساتھ ہے میرے اہل وعیال تمہارے اہل وعیال کے ساتھ ہیں اور تمہیں ہر حال میں میرا شریک رہنا ہوگا اور اگر تم نے ایسا نہ کیا اور سابق میں جو عہد وپیمان تم نے کئے ہیں۔ انھیں توڑ ڈالا اور میری بیعت سے پھر گئے تو یہ تم سے کچھ بعید بھی نہیں۔ یہی سلوک تم میرے باپ میرے بھائی اور میرے چچا کے بیٹے مسلم ابن عقیل کے ساتھ کر چکے ہو۔ دھوکے کھانے والا وہی ہے جو تمہارے دھوکے میں آجائے۔ تم نے اپنے فائدے پر لات ماری اپنے نصیب کو ضائع کیا اور جس نے عہد وپیمان شکستہ کیا اس نے اپنے ہی کو نقصان پہونچایا اور عن قریب خدا تم سے بے نیاز کر دے گا۔۔۔۔

حر اور اس کے ساتھی خاموشی سے آپ کی تقریر سنتے رہے پھر حر نے آپ کو انجام سے ڈرانا شروع کر دیا۔ اور کہا کہ اگر آپ برسر جنگ ہوں گے تو قتل کیے جائیں گے۔ امام نے بہ آواز بلند فرمایا۔

کیا تم مجھے موت سے ڈراتے ہو؟ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ

تم سے کیا کہوں لیکن میں تم سے وہی کہتا ہوں جو قبیلہ اوس کے اس شخص نے کہا تھا جو پیغمبر کی مدد کرنے کے لیے بے چین تھا اور ابن عم نے اسکو ڈرا دیا تھا۔ کہ اگر تم پیغمبر کی مدد کرنے کے لیے جاؤ گے تو مارے جاؤ گے۔ تو اس نے یہ شعر پڑھے تھے۔

"میں جلد سے جلد جاؤں گا۔ موت جوان کے لیے ننگ و عار نہیں جبکہ اس کی نیت خیر ہو اور مسلمانانہ جنگ کرے اور نیکوکار مردوں کا جی جان سے ساتھ دے اور بدبختوں کی مخالفت کرے اور مجرموں سے علیحدگی اختیار کرے۔ اگر میں زندہ بچ رہا تو کوئی ندامت نہ ہوگی اور اگر مر گیا تو کوئی مجھے ملامت نہ کرے گا۔ ذلت کی زندگی بسر کرنے سے بڑھ کر کوئی بات بری نہیں۔"

پھر دونوں قافلے روانہ ہوئے حسین کا قافلہ بھی اور حر کا رسالہ بھی دونوں ایک دوسرے کو نظر میں لیے ہوئے تھے۔ جب حسین صحرا کی طرف رخ کرتے حر بن یزید آگے بڑھ کر آپ کو کوفہ کی طرف چلنے پر مجبور کر دیتے۔ یہاں تک کہ دونوں مقام نینوا پر پہونچے ناگاہ ایک سوار اسلحوں سے لیس آتا نظر پڑا۔ اس نے حر کو سلام کیا مگر حسین کو سلام نہ کیا پھر حر کو ابن زیاد کا خط دیا جس میں ابن زیاد نے لکھا تھا۔ "حسین پر جتنی سختی ہوسکے کرو یہاں تک کہ میرا قاصد تمہارے پاس میرا خط لے کر پہونچے انھیں بے آب و گیاہ زمین پر اترنے پر مجبور کرو۔ جہاں نہ پانی ہو نہ کوئی محفوظ جائے پناہ۔

میں نے اپنے قاصد کو حکم دے رکھا ہے کہ وہ برابر تمہارے ساتھ رہے اس وقت تک جب تک تم میرے احکام کی پوری پوری تعمیل نہ کر دو۔

جب یہ بات پوری طرح واضح ہو گئی کہ حر ابن زیاد کے حکم کی تعمیل میں کمی نہ کریں گے کیونکہ اب نگراں سر پر مسلط ہے اور وہ حر کی ہر نقل و حرکت پر کڑی نگاہ رکھتا ہے تو زہیر بن قین نے امام سے کہا۔

فرزند رسول! آگے چل کر حالات اور نازک ہو جائیں گے حر کے رسالہ سے اس وقت نپٹ لینا آسان ہے بہ نسبت ان افواج کے جو بعد میں آئیں گی۔ اپنی زندگی کی قسم اس کے بعد تو اتنی فوجیں آ پہونچیں گی جن کا مقابلہ ہم کر ہی نہیں سکتے۔ لہذا اجازت دیجئے کہ ہم ان سے دو دو ہاتھ کر لیں۔ امام نے ان کا مشورہ قبول نہ کیا اور فرمایا۔

"ہم اپنی طرف سے لڑائی میں پہل کرنا پسند نہیں کرتے۔"

عمر بن سعد

دیلم والوں نے یزید بن معاویہ کے خلاف بغاوت کر دی تھی۔ اور ہمدان کے کچھ حصے پر قابض ہو گئے تھے۔ عبید اللہ بن زیاد نے چار ہزار کا لشکر مرتب کر کے عمر بن سعد کو سپہ سالار بنایا اور

وعدہ کیا کہ جب یہ بغاوت تم فرو کر آؤ گے تو تمہیں رے کی گورنری پر فائز کر دیا جائے گا۔ جب حسینؑ عراق تشریف لائے تو ابن زیاد نے کہا پہلے ہم حسین کے معاملہ سے فارغ ہو لیں پھر تم اپنی گورنری پر جانا۔ عمر بن سعد نے معافی چاہی اور حسین سے جنگ کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔ ابن زیاد نے کہا اچھی بات ہے ہم تمہیں مجبور نہیں کرتے مگر تم رے کی گورنری کا پروانہ واپس کر دو۔ عمر سعد نے مہلت مانگی کہ ہم ذرا اپنے لوگوں سے بھی مشورہ کر لیں۔ عمر سعد کے بھانجے حمزہ بن مغیرہ بن شعبہ نے جن کے باپ معاویہ کے زبردست ناصروں میں تھے۔ مشورہ دیا کہ حسینؑ سے جنگ ہرگز منظور نہ کرنا۔ اس نے کہا۔

خدا کی قسم اگر تمہیں دنیا بھر کی دولت بھی مل جائے بلکہ تم ساری دنیا کے بادشاہ بھی ہو جاؤ تو اسے ٹھکرا دو تاکہ حسین کا خون اپنی گردن پر لے کر اللہ سے نہ ملو۔

عمر سعد رات بھر کروٹیں بدلتا اور غور و فکر کرتا رہا صبح کو ابن زیاد کے پاس گیا اور تجویز پیش کی کہ میری جگہ کوفہ کے کسی اور معزز آدمی کو بھیج دیجئے مگر ابن زیاد مصر رہا کہ جانا ہے تو تم ہی جاؤ ورنہ رے کی حکومت سے ہاتھ دھو لو چار و نا چار عمر سعد حسین سے جنگ کرنے روانہ ہوا وہ خود بھی رنجیدہ تھا اور لشکر والے بھی اس کے ساتھ کر رہے تھے سوا ان اوباش

فوجیوں کے جوہر قسم کی خوبی سے خالی ہوتے ہیں۔ لشکر کے سپاہی دھیرے دھیرے لشکر سے کھسکنے اور کوفہ چھوڑ کر دوسرے شہروں کو بھاگنے لگے عبیداللہ نے سعد بن عبدالرحمان منقری کو بلایا جو اس کے خاص آدمیوں سے تھا اور تاکید کی کہ لشکر کا چکر لگاؤ اور جسے دیکھو کہ حسینؑ سے لڑنے کے لیے جانے سے گریز کر رہا ہے میرے پاس پکڑ لاؤ ابن زیاد نے ایک شخص کو پکڑ کر قتل بھی کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باقی سارا لشکر فوراً چل کھڑا ہوا۔

اس لشکر نے حسین کو کربلا میں پایا جو کوفہ سے پندرہ میل کے فاصلہ پر تھا۔ حسینؑ وہاں ۲ محرم ۶۱ھ کو پہونچے تھے۔

کوفہ کی فضا دو شخصوں کے لیے بالکل خالی ہو گئی دونوں خباثت دکمینگی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھے اور حسینؑ کے معاملہ میں بغیر حکومت سے مشورہ لیے جو چاہتے تھے کرتے تھے۔

ایک عبیداللہ بن زیاد، دوسرا شمر بن ذی الجوشن عبیداللہ بن زیاد کے متعلق ہم کہہ چکے ہیں کہ انتہائی ذلیل نسب اور شرمناک نسل سے تھا۔ ایسے شخص کی تشفی اور دلی تسکین اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی تھی کہ وہ ایسی ہستی کا خون بہائے جو بلا اختلاف، جاہلیت اور اسلام دونوں میں سب سے بڑھ کر شریف النسب تھا وہ ہمیشہ سے اس موقع کی تلاش میں تھا کہ اس شریف النسب حسین کو اپنے آگے سر جھکانے اور اپنا اطاعت گزار بنانے پر مجبور کرے اور جی بھر کر

ان کو ذلیل و خوار کرے۔

شمر بن ذی الجوشن

شمر مبروص اور انتہائی کریہ المنظر انسان تھا جو حسین کو ٹھیک اسی طرح دشمن رکھتا تھا جس طرح ہر ذلیل و کمینہ انسان ہر شریف و ہر دلعزیز اور ذی وجاہت انسان کا دشمن ہوتا ہے شمر بن ذی الجوشن و ابن زیاد دونوں ایک دوسرے کی خباثت سے واقف تھے اس ہم رنگی اور مشترکہ خباثت کی وجہ سے دونوں کے مقاصد ایک تھے تمنائیں ایک تھیں جیسے ان میں باہمی طور پر سمجھوتہ ہو چکا ہو۔

حسینؑ کا معاملہ اتنا مشکل نہ تھا۔ جو حل نہ ہو جاتا یہ سخت ترین عداوت و دشمنی تھی جو ان دونوں کی فطرت و خمیر میں راسخ ہو چکی تھی۔ جس طرح شراب پینے والے کو سرمستی و نشہ بے بس کر دیتا ہے اسے نیک و بد کی تمیز باقی نہیں رہتی وہ نتائج و عواقب کو سوچ ہی نہیں سکتا اسی طرح ان دونوں کی کیفیت تھی کہ خمیر میں گھلی ہوئی عداوت و کینہ نے انھیں اپنے آپے سے باہر کر رکھا تھا۔ اگر یہ دونوں عداوت و عناد کے نشہ میں اتنے بدمست نہ ہوتے تو بہت آسان بات تھی کہ وہ حسین کو خانہ قید یا نظربند کر دیتے ان کی نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھتے یہ موقع ہی نہیں آنے دیتے کہ وہ حکومت کی مخالفت کا خیال دل میں لائیں لیکن ان دونوں کو

اپنی حکومت اور سرکار کی خدمت کی اتنی فکر نہ تھی نہ ان دونوں نے ایسی راہ اختیار کی جو اس قسم کے معاملات میں زیادہ آسان اور زیادہ مفید ہوتی ہے۔ ان دونوں کی فکریں اتنی پست و ذلیل تھیں کہ وہ سوا اپنے ذلیل نسب، اپنی انتہائی بدصورتی اپنے ننگ و عار اور اپنی بے آبروئی کے کسی چیز کے پیرو ہی نہ تھے اسی وجہ سے ان کے دل میں سوا اس کے اور کوئی تمنا نہ تھی کہ حسینؑ کو کچل ڈالیں انھیں ناک رگڑنے پر مجبور کریں اور ساری دنیا کو حسینؑ کی ذلت و رسوائی کا شاہد بنا دیں۔ ابن زیاد کو عمر سعد کا ایک خط ملا جس میں اس نے لکھا تھا کہ۔

"حسین نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ ہم جہاں سے آئے ہیں وہاں پلٹ جائیں گے۔ یا اگر ہم لوگ چاہیں تو کسی سرحدی مقام پر چلے جائیں گے۔ یا یزید کے پاس جا کر اس کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے۔"

واقعات پر غور و فکر اور ان واقعات کے بیان کرنے والوں کے حالات پر نظر کرنے کے بعد ہماری رائے یہ ہے کہ حسین نے جو پیش کش کی تھی کہ ہم یزید کے پاس چلے جائیں گے تو وہ صرف اس لیے کہ یزید سے بالمشافہ بات چیت ہو جائے اور بیعت کا قضیہ ختم کیا جائے۔ آپ نے ہرگز اس کا وعدہ نہیں کیا تھا کہ وہ یزید کی بیعت کر لیں گے یا اپنا ہاتھ اس کا ہاتھ میں دیدیں گے۔

اس لیے کہ اگر آپ کو بیعت ہی کرنا ہوتی تو یزید کے پاس جانے کی کیا ضرورت تھی۔ اپنی جگہ پر ہی کر لیتے اور آپ جدھر جانا چاہتے عمر سعد آپ کو جانے دیتا۔

سب سے بڑی بات یہ کہ حسینؑ کے وہ اصحاب جو سفر عراق میں ان کے ہمراہ تھے انھوں نے اس خط کے مضمون سے قطعی انکار کیا ہے منجملہ ان کے عقبہ بن سمعان ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں "میں حسین کے ساتھ رہا مدینہ سے مکہ تک اور مکہ سے عراق تک اور آپ کی شہادت کے وقت تک آپ سے جدا نہیں ہوا شہادت کے وقت تک آپ نے جتنی تقریریں کیں لوگوں کے سامنے خطبے ارشاد فرمائے ایک ایک لفظ آپ کا سنا۔ خدا کی قسم آپ نے ہرگز یہ پیشکش نہ کی کہ میں یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دوں گا اور نہ یہ آپ نے کہا کہ ہمیں کسی سرحد پر بھیج دو آپ نے کہا تو صرف یہ" کہ مجھے چھوڑ دو کہ میں جہاں سے آیا ہوں وہاں چلا جاؤں یا مجھے اس کا موقع دو کہ میں اس طویل و عریض زمین میں کسی طرف نکل جاؤں اور دیکھوں کہ معاملات کیا رنگ اختیار کرتے ہیں۔"

غالباً عمر سعد نے اپنی طرف سے یہ فقرہ زیاد کو لکھ دیا تھا تاکہ ابن زیاد امام حسین کو یزید کے پاس جانے کی اجازت دے دے اور حسین سے جنگ کرنے کا بار اور اس کے نتائج و عواقب اس کے سر نہ رہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بنی امیہ کے ہوا خواہوں

نے یہ پروپیگنڈہ کر دیا ہو کہ حسینؑ نے یزید کی بعیت کر لینے کا ارادہ کر لیا تھا یہ اس لیئے تاکہ آپ کے بعد آپ کے طرفداروں پر بعیت لازم قرار دی جا سکے اور حسین کے بعیت نہ کرنے کی وجہ سے انھیں بعیت سے جو انکار تھا وہ انکار توڑا جا سکے۔

بہرحال اس دعوے میں جتنی بھی حقیقت ہو عبیداللہ اور شمر کے جرم کی ہولناکی اس سے کم نہیں ہوتی ان دونوں نے گویا آپس میں عہد و پیمان کر رکھا تھا کہ اگر ہم میں سے کسی کے دل میں کبھی ذرا سی نیکی اور شرافت کی جھلک بھی آجائے اور ہم میں سے کوئی اپنی پست فطرتی اور کمینگی پر قابو پانے کی کوشش کرے تو دوسرا فوراً اس ارادہ میں دیوار بن کر کھڑا ہو جائے اور پھر اسے ذلت و دناءت کے گڈھے میں گھسیٹ لائے۔ یہی وجہ تھی کہ ان دونوں سے بس ایسے ہی افعال سرزد ہوئے جو دو کمینوں سے سرزد ہو سکتے تھے۔

ہو سکتا ہے کہ عمر سعد کا خط پا کر ابن زیاد کی حدت میں کچھ کمی آگئی ہو اور وہ نرمی کرنے پر تیار ہو گیا ہو مگر فوراً ہی شمر نے اسے روک دیا اور اسی تشدد اور ظلم و زبردستی کی طرف کھینچ لے گیا اس نے کہا۔

کیا اس کو قبول کر لوگے حالانکہ حسینؑ اب تمہاری زمین پر اور تمہارے قریب آچکے ہیں۔ خدا کی قسم اگر حسینؑ تمہارے شہروں

سے نکل گئے اور انھوں نے تمہارے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہ دیا تو انتہائی طاقتور اور مضبوط ہو جائیں گے اور تم انتہائی ضعیف و عاجز ہو جاؤ گے تمہارے بنائے کچھ نہ بن پڑے گا۔ انھیں اس کی اجازت نہ دو بلکہ انھیں مجبور کرو کہ وہ اور ان کے اصحاب تمہارے حکم کے آگے سر خم کر دیں اس صورت میں اگر تم انھیں سزا دو گے تو تمھیں سزا دینے کا حق ہے اور اگر معاف کرو گے تو اس کا بھی تمھیں اختیار ہے۔

پھر اس نے عمر سعد کو برا بھلا کہا۔ غرض یہ تھی کہ عبید اللہ کی نظروں سے عمر سعد گر جائے وہ قابل اعتماد نہ رہے اور لشکر کی سپہ سالاری عمر سعد کی جگہ اسے مل جائے لشکر کی سپہ سالاری پانے کے بعد پھر رے کی حکومت کا ہاتھ لگ جانا بھی مشکل بات نہ تھی اس نے ابن زیاد سے کہا "مجھے خبریں ملی ہیں کہ حسینؑ اور عمر سعد رات رات بھر دونوں لشکروں کے درمیان باتیں کیا کرتے ہیں۔"

ابن زیاد فوراً ہی شمر کا ہمنوا ہو گیا اور اسی وقت شمر کو اس حکم کے ساتھ روانہ کیا کہ اگر عمر سعد متردد نظر آئے اور حسینؑ کو مجبور کر کے کوفہ لانے یا ان سے جنگ کرنے میں متامل ہو تو فوراً اس کی گردن اڑا دینا اور عمر سعد کو خط لکھا۔

میں نے حسینؑ کی طرف تمھیں اس لیے نہیں بھیجا ہے کہ تم ان کی

حمایت کرو اور نہ اس لیے کہ انھیں امن و سلامتی کی تمنائیں دلاؤ اور نہ اس لیے کہ تم ان کی طرف سے معذرت پیش کرو اور نہ اس لیے کہ تم ان کی سفارش مجھ سے کرو۔ دیکھو اگر حسین اور ان کے ساتھی بات مانتے ہیں بیعت کر لیتے ہیں تو ان کو ہمارے پاس روانہ کردو اور اگر وہ انکار کریں تو ان پر فوج کشی کرو یہاں تک کہ ان کو قتل کر ڈالو اور قتل کرنے کے بعد ہاتھ پیر کاٹ ڈالو اس لیے کہ وہ لوگ اسی کے مستحق ہیں جب حسین قتل ہو جائیں تو ان کی لاش پر گھوڑے دوڑاؤ تاکہ سینہ اور پشت چور چور ہو جائے وہ انتہائی نافرمان جھگڑالو اور قاطع رحم ہیں۔ اگر تم نے ہمارے حکم کی تعمیل کی تو فرمانبرداروں جیسا انعام پاؤ گے اور اگر تمہیں ہمارے حکم کی تعمیل سے انکار ہے تو ہمارے لشکر سے نکل جاؤ اور لشکر کی قیادت کو شمر کے ہاتھ میں دیدو اسکے چند ہی دن بعد کربلا کا المیہ ختم ہو گیا۔ لیکن اس واقعہ کی شرمناکی اور کالک ہمیشہ کے لیے باقی رہ گئی سینکڑوں برس گزر گئے لیکن تاریخ سے ان دونوں کے نشانات و آثار آج تک محو نہ ہو سکے۔

❖ ❖ ❖

کیا حسین نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا؟

کیا حسین نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا

امام حسینؑ کا عزم اور مکہ معظمہ سے عراق کی طرف آپ کی روانگی کوئی ایسا اقدام نہیں جس کا زمانہ حال کے حوادث اور روزانہ پیش آنے والے معمولی واقعات سے موازنہ کر کے اس پر آسانی کے ساتھ کوئی حکم لگایا جا سکے کیونکہ آپ کا یہ اقدام تاریخ کے ان چند عدیم المثال کارناموں میں سے ایک ہے جو دینی تبلیغات یا سیاسی انقلابات کی صورت میں رونما ہوئے ہیں۔"

یہ اقدام کوئی ایسا معمولی کام نہیں ہے جس کو بار بار دہرایا جائے یا ہر شخص اس کو انجام دینے کی جرات کرے یا اگر کرے بھی تو بغیر کسی لغزش کے صحیح منزل تک اس کی رسائی ہو سکے۔

اس قسم کے حادثات میں صحیح راستہ پالینا اور اس پر آ گے۔

بڑھنا کسی ایک ہی رخ کا حامل نہیں ہوا کرتا تا کہ ہم اس کے بارے میں بحث کریں جیسا کہ اس میں لغزش اور غلطی کرنے کا بھی ایک ہی پہلو نہیں ہے تا کہ اس میں کوئی اختلاف پیدا نہ ہو۔ درحقیقت یہ ایسا کام ہے جس کے متعدد پہلو اور بہت سے رخ ہیں جن کے اندر کبھی قوت فکر کی صرف ایک ٹھوکر سے معاملہ برعکس اور دگرگوں ہو جاتا ہے۔ اور کبھی ایک اتفاقی تخیل سے سلامت روی غلط کاری میں یا لغزش راست روی میں مبدل ہو جاتی ہے۔ پس ان باتوں کے پیش نظر اگر ہم اس معمّا صفت اقدام کو عقل و فہم کی لغزش کا محل یا اضداد کے جمع ہونے کی منزل سمجھیں تو کیا تعجب ہے۔

یہ اقدام ایک ایسا عمل ہے جو سوا ان جواں مردوں کے جو اسی قسم کے کارناموں کے لیے خلق ہوئے ہیں اور کسی شخص سے بھی انجام نہیں پاتا اور دوسرے لوگوں کے دل و دماغ میں اس کا خیال اور تصور ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اس کا نقطہ عروج ان بڑے بڑے روزانہ پیش آنیوالے واقعات کی رفعت سے بدرجہا بلند ہے جہاں ہر اس رہرو کی رسائی ممکن ہے جو ایک پامال راستے یا عام شاہراہ پر چلنے کی ہوس دل میں رکھتا ہو۔ یہ اقدام ایک ایسے مافوق العادت عزم کا مظاہرہ کرتا ہے جس پر سوا غیر معمولی شخصیتوں کے اور کسی کو دسترس حاصل نہیں ہوتا اور اگر ہم ان جواں مردوں کی سیرت کو ان لوگوں کے کردار کی روشنی میں دیکھیں جو

اپنے طرز و انداز میں ان کے برعکس ہیں تو یقیناً ہماری ساری گفتگو مہمل و بے ہودہ قرار پائے گی کیونکہ یہ حضرات اپنے احساسات تصورات اور خواہشوں میں دوسروں کے حواس و افکار اور جذبات سے کافی فرق رکھتے ہیں۔

یہ اقدام کسی سیاسی انسان کا مظاہرہ یا کسی عیار کی فریب کاری کا کرشمہ یا کسی بازاری تاجر کی سوداگری یا اپنی طرف دنیا کو مائل کرنے یا خود دنیا کی طرف جھکنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا بلکہ ایک ایسے انسان کا طریقہ کار اور طرز عمل تھا جو اپنی زندگی نیز تمام دنیا اور اہل دنیا کو ایک ایسے آئین کا جواب دہ سمجھتا تھا جس پر خود بھی ایمان رکھتا تھا اور اس کا بھی معتقد تھا کہ تمام افراد بشر کو اس پر ایمان لانا اور اس کا پابند رہنا ضروری ہے۔

اگر دنیا آپ کے مقصد کو تسلیم کرتی تھی تو آپ بھی دنیا کو قبول فرماتے تھے ورنہ آپ کے نزدیک اس میں کوئی فرق نہ تھا کہ آپ کے اور آپ کے مقدس اور عزیز مقصد کے درمیان موت حائل ہو جائے یا اس دنیا کی بے اصول اور ناگوار زندگی بلکہ اس نظریہ کے سامنے انتہائی خوش آئند اور پسندیدہ تھی یہ بات کہ اگر مقصد ہاتھ سے جاتا ہے تو موت کے ساتھ جائے۔ نہ کہ اس ذلیل ماحول میں زندہ رہنے کے ساتھ۔ روحی فداک یا ابا عبداللہ!

یہ اقدام ایک ایسی جنبش تھی۔ جس کا نہ سیاسی کرشمہ سازیوں

پر قیاس کیا جا سکتا ہے نہ سوداگروں کے سامان تجارت سے موازنہ بلکہ اس کو ایک ایسی مخصوص آزمائش کے پیمانہ سے ناپنا چاہیئے جس کا پھر کبھی اعادہ نہ ہو جو ہر شخص کے امکان سے باہر ہو اور لیں وہاں جس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہوں۔

یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ ۶۰ سال جو حسینی اقدام کے بعد گزرے وہ ایسی حکومت کے زیر سایہ تھے جس کی بنیاد ہر صورت سے آپ کے اعمال کی تکذیب اور ہر پہلو سے آپ کے دشمنوں کے افعال کی تائید پر قائم تھی۔ امام حسینؑ کے افعال کو درست سمجھنے کا دوسرا مطلب اس حکومت کو غلط اور ناجائز جاننا تھا اور آپ کے اصول و براہین پر توجہ کرنے کے معنے اس حکومت کی گردن میں گناہ کا طوق ڈالنا تھا سبھی جانتے ہیں کہ لوگ موجودہ سلطنتوں کو پاک و صاف بتانے اور گزشتہ حکومتوں کو غلط کار ثابت کرنے میں حیا و غیرت سے کس طرح ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں اور عدل و انصاف کو بہت حقیر دار زاں قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں۔ پس امام حسینؑ کے اعمال و کردار کا جائزہ اور اس کی توجیہ یا تنقید میں فیصلہ کوئی ایسا کام نہیں ہے جس میں ایسے مطلب پرست اور ابن الوقت اشخاص کی طرف رجوع کیا جائے جو حکومت وقت کی تلوار سے لرزتے ہیں یا اس کی طاقت و دولت سے ان کی تمنائیں وابستہ ہیں بلکہ بنیادی طور پر ایسے افراد کو چاہیے وہ کسی آخری ہی دور کی پیداوار ہوں چاہیے

وہ کسی اور ہی طاقت سے ڈرتے ہوں اور کسی دوسرے ہی کی دولت پرچشم ہوس لگائے ہوئے ہوں ایسے قضیوں کے فیصلے اور ان میں حکم بننے کے حق سے دور ہی رکھنا اور سمجھنا چاہیئے امام حسینؑ کے عمل پر حکم لگانا اور اس کے صواب وخطا کی تشخیص دو چیزوں کے ہاتھ میں ہے زمانوں یا فرمان رواؤں کے اختلاف سے کوئی فرق اور تغییر نہیں ہوتا۔

حسینی عمل کے خطا اور ثواب کی تحقیق دو باتوں

(۱) اول انسان کے وہ باطنی محرکات وجذبات جو ہمیشہ انسانیت کی استوار اور مستقل فطرت کے ماتحت کام کرتے رہتے ہیں دوسرے

(۲) اس اقدام کے وہ نتائج جو دنیا والوں کی نگاہوں کے سامنے بے نقاب ہو کر آ گئے ہیں۔

ہاں یہی وہ آزمائش اور موازنے کے دو مضبوط اصول ہیں جن سے ہم امام حسینؑ کے اقدام اور یزید بن معاویہ کے مقابلہ میں آپ کی مقاومت کا اندازہ لگا سکتے ہیں اور اس کے بعد یہ صحیح فیصلہ کر سکتے ہیں کہ "ہاں آپ کا راستہ بالکل درست تھا آپ صحیح راستہ پر تھے کیونکہ آپ کی اس باطنی قوت فیصلہ کی موجودگی میں جس کے آپ پابند تھے اور فطری طور پر اپنے کشور حیات کی قیادت اس کے سپرد فرما چکے تھے۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ سوا اس کی ہمراہی اور ہم آہنگی کے آپ کوئی دوسرا راستہ اختیار کریں اور کسی دوسری طاقت کی فرمانبرداری کر لیں۔

www.kitabmart.in

آپ صحیح راستہ پر تھے کیونکہ اس اقدام کے درست اور گہرے نتائج پر اثرات کا پورا جائزہ لینے کے بعد کسی شخص کو چاہیے وہ اپنے امور کو مصلحت بینی اور عقل مندی کے تحت انجام دیتا ہو یا دنیادی مسائل کو جوانمردی کے انداز اور انسانیت کے طریقہ پر حل کرتا ہو ان کی صحت و افادیت میں کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔

پس اولاً یہ دیکھنا چاہیئے کہ معاویہ کے انتقال کے بعد جس روز امام حسینؑ کو مدینہ میں بیعت یزید کی دعوت دی گئی تو آپ کے قلبی عزائم و خیالات کی تشکیل کس قسم کے اسباب و محرکات کی بنیاد پر ہوئی تھی۔

قبل اس کے کہ ہم امام حسینؑ کے باطنی جذبات اور دلی عزائم کے بارے میں بحث شروع کریں اور ایک ایسے جانگداز دردناک مرحلے کے مقابلہ میں جو آپ کے سامنے تھا آپ کے فطری اصولوں کی جانچ کریں یہ کہہ دینا ضروری ہے کہ یزید کی جو بیعت انجام پا چکی تھی وہ نہ کوئی مستقل اور مستحکم بیعت سمجھی جاتی تھی اور نہ ذمہ دارانہ بیعتوں میں داخل تھی تاکہ ایک صحیح قاعدہ پر اس کو بنیادی حیثیت دی جائے اور کوئی استوار دپائدار کام سمجھا جائے۔

یزید کی بیعت ایک ایسا بچہ تھی جو سازشوں کی پیداوار

تھا اور خوشامد و چاپلوسی کے گہوارے میں پلا تھا حد یہ کہ معاویہ کو بھی اس سلسلے میں کچھ کہنے کی جرات نہیں ہوتی تھی اور جب تک درباریوں میں سے ایک شخص نے جو اس کام میں اپنے لیے بڑے بڑے فوائد اور مواقع دیکھ رہا تھا۔ اس کو فریب دے کر اس بات پر آمادہ نہیں کر لیا وہ اس اقدام کی ہمت نہیں کر سکا۔

مغیرہ بن شعبہ معاویہ کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا معاویہ نے چاہا کہ مغیرہ کو معزول کر کے اس کی جگہ سعید بن عاص کو گورنر مقرر کریں ان کا دستور تھا کہ قبل اس کے کہ کوئی گورنر طاقت پکڑے ہاتھ پیر پھیلائے اس کو معزول کر دیا کرتے اور ایک کو دوسرے سے ٹکراتے رہتے تاکہ عمال ان کے خلاف متحدہ محاذ نہ بنا سکیں اور ان کے خلاف ایکا نہ کر پائیں. مغیرہ کو جب معاویہ کے اس ارادہ کا اندازہ ہوا تو وہ فوراً کوفہ سے چل کر دمشق پہونچے اور یزید سے مل کر تعجب اور حیرت کا اظہار کرتے ہوئے بولے۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ امیر المومنین (معاویہ) آپ کے لیے لوگوں سے بیعت کیوں نہیں لے لیتے۔؟

یزید کو اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ میں اس منصب خلافت کے لیے سزاوار ہوں اور میری بیعت آسانی سے تمام مسلمان کر لیں گے. اس نے مغیرہ سے پوچھا۔

"کیا میری بیعت تمام مسلمان کر لیں گے؟"

مغیرہ نے کہا۔ اگر آپ کے باپ چاہیں تو کچھ بھی مشکل نہیں۔
یزید نے اس گفتگو کی جاکر اپنے باپ کو خبر دی مغیرہ نے دیکھا کہ یہ موقع بہت اچھا ہے معاویہ کو ادھار رشوت دے کر نقد رشوت وصول کی جا سکتی ہے یعنی میں معاویہ کو یہ رشوت دوں کہ یزید کی بیعت لینے میں ہر ممکن مدد کروں گا اور اس کے بدلہ میں کوفہ کی حکومت پر برقرار رہوں گا۔ اس وقت تک جب تک کہ یزید کی بیعت پایۂ تکمیل کو پہنچے۔

جب مغیرہ معاویہ سے ملے تو معاویہ نے ان سے دریافت کیا کہ تم نے یزید سے یہ کیا باتیں کہی ہیں، مغیرہ نے وہی بات معاویہ کے سامنے دہرائی اور پہلے سے زیادہ بنا سنوار کے کہا۔

حضرت عثمان کے بعد آپس میں جتنی پھوٹ پڑی اور جتنی خوں ریزی ہوئی آپ دیکھ ہی چکے ہیں۔ یزید آپ کا بڑا اچھا جانشین ہے آپ ابھی سے اس کی بیعت لوگوں سے لے لیجئے اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو یزید لوگوں کے لیے جائے پناہ ہوگا اور آپ کا بہترین جانشین اور نہ کوئی خوں ریزی ہوگی نہ کوئی فتنہ برپا ہوگا۔"

معاویہ نے خوف دہراس اور تردد بھرے لہجہ میں پوچھا۔
اس کام میں میری مدد کون کرے گا؟"

مغیرہ نے کہا "میں کوفہ والوں کی طرف سے آپ کو اطمینان دلاتا ہوں۔ زیاد بصرہ والوں کے لیے کافی ہوگا۔ جب ان دونوں شہروں

کے مسلمان بیعت کر لیں گے تو پھر کون آپ کی مخالفت کرے گا۔

معاویہ نے مغیرہ کی معزولی کا ارادہ ترک کر کے پھر اسے کوفہ کی گورنری پر واپس بھیج دیا اور مغیرہ اور اس کے ساتھیوں کو تاکید کی کہ اس کام میں ابھی جلد بازی نہ کریں پھر معاویہ نے زیاد سے اس بارے میں مشورہ لیا زیاد نے اپنے ایک درباری اور مخصوص آدمی سے کہا۔

"امیر المومنین لوگوں کی بیزاری و نفرت سے ڈرتے بھی ہیں اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے اطاعت گزار رہیں یزید ایک سست اور کاہل انسان ہے پھر اس کے سارے دن بیہودگی اور سیر و شکار میں کٹتے ہیں تم امیر المومنین سے ملاقات کرو اور یزید کی ان حرکتوں کی طرف توجہ دلاؤ اور کہو کہ ذرا آہستہ روی سے کام لیں۔ آہستہ روی ہی میں کام پورا ہونے کی امید ہے جلد بازی سے کام نہ لیجئے اس لیے کہ دیر میں کسی مقصد کو پالینا بہتر ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ جلد بازی کر کے اس کو کھو دیا جائے۔"

زیاد کے ساتھی نے زیاد کو مشورہ دیا کہ معاویہ جو ارادہ کر چکے ہیں اس میں رکاوٹ ڈالنا ٹھیک نہیں اور نہ یزید کی برائیاں کر کے ان کو دشمن بنانا مناسب ہے، بہتر یہ ہے کہ تم خود یزید سے جا کر ملو اور کہو کہ امیر المومنین نے مجھ سے تمہاری بیعت کے متعلق

مشورہ چاہا ہے اور میں ڈرتا ہوں۔ کہ تم جن بیہودگیوں میں مبتلا ہو کہیں ان کی وجہ سے عوام الناس تمہارے خلاف نہ ہو جائیں لہذا میری رائے یہ ہے کہ تم ان بیہودگیوں سے کنارہ کشی اختیار کرو۔ اس طرح لوگوں کو تمہاری بیعت کرنے میں کوئی عذر باقی نہ رہے گا۔

لوگ بیان کرتے ہیں کہ زیاد کے کہنے سننے سے یزید نے بہت سی اوباشیاں ترک کر دیں اور معاویہ نے بھی زیاد کی اس رائے کو بہتر سمجھا کہ یزید کی بیعت لینے میں جلد بازی سے کام نہ لیا جائے چنانچہ جب تک زیاد زندہ رہا معاویہ یزید کی بیعت کا خیال دل میں نہیں لائے۔

معاویہ کو اندازہ ہوا کہ غیر تو غیر خود اپنے گھر والے یزید کی بیعت کو پسند نہیں کرتے چنانچہ ان کی بیوی فاختہ بنت قرظہ بن جلیب بن عبد شمس یزید کی بیعت کو بے حد ناپسند کرتی تھی اس کی تمنا تھی کہ میرے بیٹے عبد اللہ کی بیعت ہو۔ چنانچہ اس نے معاویہ سے کہا۔

"مغیرہ نے آپ کو یزید کی ولی عہدی کا مشورہ دے کر آپ کے ساتھ دوستی نہیں کی بلکہ دشمنی کی ہے وہ آپ ہی کے گھر میں آپ کا ایک دشمن کھڑا کرنا چاہتا ہے جو ہر دن آپ کے مرنے کی دعائیں مانگے گا"

مروان بن حکم بھی جو معاویہ کا قریبی رشتہ دار تھا اس منصوبے کی خبر سن کر بہت برہم ہوا اس نے مدینہ والوں سے یزید کی بیعت لینے سے صاف انکار کر دیا اور معاویہ کو لکھا۔ آپ کے خاندان والے آپ کی اس بات کو ماننے پر ہرگز تیار نہیں۔

معاویہ نے مروان کو مدینہ کی گورنری سے معزول کر کے اس کی جگہ سعید بن عاص کو گورنر مقرر کر دیا۔ مروان کو اتنا طیش آیا کہ قریب تھا کہ علم بغاوت بلند کر دے اور لشکر لے کر معاویہ پر چڑھ دوڑے وہ مدد کے لیے اپنے ننھیالی رشتہ دار بنی کنانہ کے پاس گیا انھوں نے ہر ممکن مدد دینے کا وعدہ کیا اور کہا۔

ہم تمہارے ہاتھ ہیں۔ بمنزلہ تمہارے تیر کے ہیں اور تمہاری میان ہیں تمہاری تلوار ہیں۔ تم جس کو نشانہ بناؤ ہم اسے ہلاک کر ڈالیں گے اور جس پر تلوار چلاؤ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں گے رائے تمہاری رائے ہے اور ہم پوری طرح تمہارے قبضہ اختیار میں ہیں۔"

مروان ایک بہت بڑا وفد لے کر دمشق آیا اور معاویہ کے محل میں پہونچا۔ محل کے دربان نے جب اتنے آدمی دیکھے تو اس نے روکنا چاہا۔ مروان کے ساتھیوں نے اسے زدوکوب کی اور زبردستی اندر گھس گئے علیک سلیک کے بعد مروان نے معاویہ کو خوب کھری کھری سنائی۔ معاویہ بنی امیہ کے معززین کے اس مجمع کو دیکھ کر

ڈر گئے چکنی چپڑی باتیں کر کے انھوں نے مروان کو ہموار کر لیا اور ہر مہینہ ایک ہزار اشرفی اس کے لیے اور سو اشرفیاں اس کے گھر والوں کے لیے جو اس کے ساتھ آئے تھے فرداً فرداً مقرر کر دیں۔

یزید کی بیعت پر بنی امیہ سے صرف مروان ہی برہم نہ ہوا بلکہ سعید بن عثمان بن عفان بھی بہت برہم ہوئے وہ اپنے کو یزید کے مقابلہ میں خلافت کا زیادہ حق دار سمجھتے تھے کیونکہ وہ عثمان کے بیٹے تھے اور عثمان ہی کے نام پر معاویہ خلیفہ بنے تھے انھوں نے معاویہ سے کہا۔

آپ مجھے چھوڑ کر یزید کے لیے بیعت کیوں لے رہے ہیں خدا کی قسم آپ بخوبی آگاہ ہیں کہ میرا باپ یزید کے باپ سے بہتر تھا۔ اور میری ماں یزید کی ماں سے بہتر تھی اور آپ نے یہ جو خلافت پائی ہے میرے باپ ہی کی وجہ سے پائی ہے۔

معاویہ نے سعید کو تسلی و دلاسا دیتے ہوئے کہا۔

بھتیجے تمہارا یہ کہنا کہ تمہارا باپ (عثمان) یزید کے باپ (معاویہ) سے بہتر تھا تو بے شک ایسا ہی ہے عثمان کا ایک دن معاویہ کی پوری زندگی سے بہتر ہے۔ یہ کہنا کہ تمہاری ماں یزید کی ماں سے بہتر تھی تو قریشی عورت کا کلبی عورت سے بہتر و افضل ہونا ظاہر و واضح ہے۔ رہ گیا یہ کہ میں نے یہ خلافت تمہارے باپ کی وجہ سے پائی

ہے تو یہ تو بادشاہت ہے خدا جسے چاہتا ہے دیتا ہے تمہارے باپ مارے گئے تو عاص کی اولاد نے سستی سے کام لیا ان کی کوئی مدد نہ کی اور بنو حرب (یعنی معاویہ) ان کی نصرت و مدد پر کمربستہ ہو گئے تو اسلئے ہمارا ہی احسان تمہارے اوپر ہے اور یہ بات کہ تم یزید سے بہتر ہو تو اگر تمہارے جیسے لوگوں سے میرا گھر بھی بھر جائے تو وہ میرے لڑکے یزید سے زیادہ مجھے محبوب نہ ہوں گے۔ یہ سب باتیں رہنے دو تمہیں جو مانگنا ہو مانگو میں تمہیں دوں گا۔

چنانچہ معاویہ نے اسی وقت سعید کو خراسان کا حاکم مقرر کر دیا۔

مذکورہ بالا واقعات ثبوت ہیں اس بات کا کہ بنی امیہ کے جتنے نمودار اور بڑے لوگ تھے سب کی دلی تمنا یہی تھی کہ معاویہ کے بعد خلافت ہمیں ملے دوسرے کو نہیں اور ان کو یزید سے نفرت محض اس وجہ سے تھی کہ وہ خود امیدوار خلافت کے تھے جس کو جتنی تمنا تھی اتنا ہی وہ یزید کا دشمن تھا۔ اور اگرچہ خاندانی مصالح نے ان لوگوں میں ایک عرصہ تک اتحاد و یگانگت باقی رکھی لیکن ان لوگوں کی یزید سے چشمک اور اس سے بہتر ہونے کا زعم ایسا نہ تھا۔ جو انھیں نچلا بیٹھنے دیتا اور یہ لوگ یزید کی حکومت کو مستحکم بنانے میں کارآمد ہوتے۔

تو اس جبر و اکراہ سازش و ریشہ دوانی اور سود بے بازی کے ذریعہ یزید کی بیعت نے جنم لیا اور ایسے قریب ترین عزیزوں اور مخلص مددگاروں کی طرف سے ایسی ترشی و تلخی کا سامنا کرنا پڑا اوپر کی سطروں سے یہ بات بھی واضح ہو چکی ہے کہ مغیرہ ایسے دلال تھے کہ جو چیز ان کے قبضہ و اختیار کی نہ بھی ہوتی اس کا کھرا سودا کر لیتے انھوں نے کوفہ و بصرہ کی ذمہ داری لے لی تھی اور یہ اطمینان دلا دیا تھا کہ جب کوفہ و بصرہ والے بیعت کر لیں گے تو پھر دوسرے شہروں کے باشندوں کو انکار کی کیا گنجائش باقی رہے گی لیکن کوفہ والوں ہی نے سب سے پہلے یزید کی بیعت سے اپنی نفرت و بیزاری کا اظہار کیا۔ بصرہ سے جواب ہیں ٹال مٹول ہوئی اور اس کے گورنر زیاد نے اس کام میں جلد بازی مناسب نہ سمجھی اور معاویہ کو مشورہ دیا کہ توقف سے کام لیا جائے چنانچہ جب تک زیاد زندہ رہا معاویہ نے یہ سوال ہی نہیں اٹھایا۔ حکومت کے دوسرے حصوں میں بھی شورشیں برپا ہوئیں ہمدان والے بغاوت پر تل گئے۔ حجاز میں کئی برس بنی امیہ پر سخت و شدید گزرے۔ یمن میں بنی امیہ کا ایک بھی طرفدار نہ تھا اور اگر وہاں بھی کوئی علانیہ علم بغاوت بلند کرنے والا پیدا ہو جاتا تو وہاں کی بغاوت بھی حجاز کی بغاوت ہی جیسی ہوتی۔

بلکہ یہاں تک کہا جا سکتا ہے جیسا کہ حسینی اقدام میں یہ بات

پوری طرح عالم آشکار ہو گئی کہ خود شام میں بھی ایک شخص ایسا نہ تھا جو سچے دل سے یزید کے حق دار خلافت ہونے کا معتقد اور حسین کے اقدام کو ناجائز جانتا ہو شام والوں پر حسین سے جنگ کرنا بڑا شاق گزرتا تھا۔ جس کو نکل بھاگنے کا موقع ملتا تھا وہ بھاگ بھی نکلتا تھا۔ بس وہی حسین سے جنگ کرنے پر مجبور ہو گئے۔ جو قتل کئے جانے اور مشاہرہ سے محروم کر دیئے جانے کی دھمکی سے مرعوب ہو گئے۔

وہ واقعات جو جہاد حسینی سے عہد یزید کے خاتمہ تک پیش آئے وہ سب سے بڑا ثبوت ہیں اس بات کا کہ یزید ۔ ۔ ۔ کا دور خلافت ہیجان و اضطراب کا دور تھا اس لیے کہ حسین کی شہادت کے بعد جتنے دن یزید زندہ رہا بڑے بڑے سنگین واقعات پیش آئے بڑی بڑی شورشیں برپا ہوئیں اور یہ سلسلہ یزید کے مرنے کے دو برس بعد تک جاری رہا۔

اسباب خروج

اگر یزید اپنی عقل و فہم اخلاق و عادات حسن تدبیر اور حکومت اسلامیہ کے لیے کار آمد ہونے کی جہت سے مسلمانوں کا پسندیدہ ہوتا اور مسلمان یزید کے ان مذکورۂ بالا صفات کی وجہ سے متفقہ طور پر اس کو خلیفہ منتخب کر لیے ہوتے تو کہا

جا سکتا تھا۔ کہ حسینؑ نے اس کی بیعت سے انکار کر کے نامناسب حرکت کی مگر مشکل یہ ہے کہ وہ ان تمام باتوں کی بالکل ضد واقع ہوا تھا جیسا کہ سبھی کو معلوم ہے کہ وہ ایک رند مشرب اور اوباش انسان تھا اس سے نہ تو کسی بھلائی کی امید تھی نہ اس کی توقع کہ وہ کوئی بگڑی بات بنا سکے ولی عہدی کے لیے اس کا انتخاب کھلی ہوئی سودے بازی تھی خلافت کے جتنے حصہ دار تھے سبھی نے اپنی رضامندی اور تعاون کی پوری پوری قیمت وصول کی اور کھلے بندوں کسی نے درہم و دینار لیے کسی نے کہیں کی گورنری قبول کی یزید تو یزید یزید سے بدتر بھی کوئی انسان ہوتا اور اس کی بیعت کی ایسی ہی قیمت ادا کی جاتی تو وہ لوگ اس کی بھی بیعت کر لینے چاہے دین اسلام کا ستیاناس ہی کیوں نہ جاتا اور معالم اخلاق خاک ہی میں کیوں نہ مل جاتے۔

سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ حسین بن علی سے اس بات کا مطالبہ کیا گیا کہ وہ یزید ایسے انسان کی بیعت کر لیں اور اسے مسلمانوں کا امام تسلیم کر لیں اور شاہد بن جائیں کہ یزید بڑا اچھا خلیفہ ہے وہی حق دار خلافت ہے اور اسی میں خلافت کرنے کی صلاحیت و قدرت ہے۔ حسین کو دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہی اختیار کرنی تھی یا تو وہ یزید کی بیعت کر لیں یا یزید کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں ان صورتوں کے علاوہ کوئی

تیسری صورت ان کے لیے چھوڑی ہی نہیں گئی تھی۔

بعض مستشرقین یورپ اور مشرقی ممالک کے بھی بہت سے ضعیف العقل مورخین اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں اور عقل کی ترازو میں اس کو تول کر نہیں دیکھتے ان لوگوں کے لیے یہ غور کرنا ضروری و لازم تھا کہ دینی عقیدہ کا سوال جو حسین کی سرشت و ضمیر میں راسخ تھا۔ وہ ھنسی مذاق یا سودے بازی کا مسئلہ نہ تھا حسین دل کی گہرائیوں سے اسلامی احکام پر بہت مستحکم ایمان رکھتے تھے اور انتہائی سختی کے ساتھ اس بات کے معتقد تھے کہ دین کے حدود کا معطل کرنا سخت ترین مصیبت ہے اگر دین کے حدود معطل ہو گئے تو تمام مسلمان تباہی و بربادی میں پڑ جائیں گے آج کل کے مسلمان بھی اور آئندہ کی نسلیں بھی اس لیے کہ حسین مسلمان تھے وہ پیغمبر کے جگر گوشہ تھے اگر دوسرے کا اسلام اس کے نفس کی ہدایت اور اس کی عقل کی رہبری کرتی تو حسین کا اسلام ان کے نفس کی رہبری بھی تھی۔ اور ان کی خاندانی شرافت بھی۔

حسین کی شہادت کے بعد ۶۰ برس تک بنی امیہ کی حکومت رہی اور ۶۰ برس تک بنی امیہ منبروں پر حسین اور ان کے پدر بزرگوار پر سب و شتم کرتے رہے لیکن کسی کو اس بات کی ہمت و جرأت نہ ہو سکی کہ حسین کے زہد و ورع تقویٰ و پرہیز گاری اور اسلام

کے چھوٹے سے چھوٹے حکم کی رعایت و نگہداشت پر خردہ گیری اور نکتہ چینی کر سکے انھوں نے لاکھ سر مارا کہ اموی حکومت کے خلاف حسین کے خروج اور علم بغاوت بلند کرنے کے علاوہ اور بھی کوئی عیب حسین میں ڈھونڈھ نکالیں مگر ان کی زبانیں بھی قاصر رہیں اور ان کے زر خرید لوگوں کی زبانیں بھی لہٰذا جو شخص ایسا ہو اس کے متعلق تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ دین کو کسی خطرہ میں اور عہدہ خلافت کی مٹی پلید ہوتے دیکھ کر خاموش رہے اور خوشامد و چاپلوسی سے کام لے اور اس کی روک تھام کرنے کے بجائے سکون و عافیت سے گھر میں بیٹھے رہنے کو ترجیح دے۔ ایسا شخص کیونکر یہ بات برداشت کر سکتا تھا کہ امامت و خلافت کا عہدہ ایسے شخص کو تفویض کر دیا جائے جس میں کوئی صلاحیت ہے نہ اہلیت سوا اس کے کہ وہ اپنے باپ (معاویہ) کا بیٹا ہے۔

یزید کے باپ معاویہ باتدبیر تجربہ کار اور حکومت و ریاست کے معاملات سے واقف و آگاہ انسان تھے اس کے ساتھ انھیں ایسے خیر خواہ مشیر بھی نصیب تھے جو بڑے چالاک و زیرک و دانا تھے اور حکومت کے بگڑے ہوئے حالات کو سنبھالنے پر قادر تھے لیکن معاویہ کے جانشین یزید میں نہ صلاحیت اور لیاقت تھی نہ عزت و وجاہت اور نہ خیر خواہ مشیر نصیب تھے اگر تھے بھی تو فساد و تباہکاری میں بغض اور گمراہی میں رفیق و مددگار تھے۔

لہذا اس بات کا اقرار کرنا کہ یزید میں اس بات کی صلاحیت تھی کہ وہ خلیفہ بنایا جا سکے لوگوں کو دھوکا دینے کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے اور اس دھوکا دہی کی تھوڑی بہت قیمت مل جاتی اس کے علاوہ اور کیا ہونا ہے۔

پھر اگر حسین یزید کی بیعت کر لیتے تو آپ جیسے وفا شعار اور صاف باطن انسان کے لیے اس بیعت سے انحراف کی کوئی گنجائش ہی نہ ہوتی ان کی وفا شعاری دنیا جانتی ہے امام حسن اور معاویہ میں اس مسئلہ پر معاہدہ ہوا تھا۔ معاویہ نے اس معاہدہ کی بارہا خلاف ورزی کی لیکن حسین جب تک معاویہ جیتے رہے اس معاہدہ کے پابند رہے انحراف کی گنجائش ہوتے ہوئے بھی آپ نے معاہدہ کی خلاف ورزی گوارا نہ کی لہذا اگر وہ یزید کی بیعت کر لیتے تو یزید کی زندگی تک اسی طرح اس کے وفادار رہتے جس طرح آپ نے معاویہ کی زندگی تک بات نباہی۔

تو یزید کی حکومت کسی ایک بھی ایسی بنیاد پر قائم نہ تھی جس پر حسین اپنی دینداری اپنے فضل و شرف اور امت اسلامیہ کی فلاح و بہبود کے پیش نظر راضی ہو سکتے۔ ایسی حکومت کے وفادار اور معین و مددگار ہونے کا آپ سے مطالبہ بالکل ایسی حکومت کے وفادار اور معین و مددگار ہونے کا مطالبہ ہوتا۔ جس کی ہر

بات آپ کو ناپسندیدہ ہوتی اور جیسے کسی حالت میں آپ قابل ستائش نہ سمجھتے ہوتے۔

پھر یہ بات بھی بھولنے کی نہیں کہ یہ حکومت کن بنیادوں پر قائم ہوئی تھی! آپ کی ذلت و تحقیر آپ کے پدر بزرگوار اور ان کے شیعوں کی ذلت و اہانت لوگوں کے ذہنوں میں اس حکومت کے بنیادی ارکان ہوتے بنی امیہ منبروں پر علی کو گالیاں دیا کرتے، آپ کو کاذب، باغی اور نافرمان کے الفاظ سے یاد کرتے۔ آپ کے شیعوں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کے گرفتار کیا جاتا اور انھیں مجبور کیا جاتا کہ وہ بھرے مجمع میں منبر پر جا کر علی کو گالیاں دیں۔ ان کی مذمت و تنقیص کریں۔

اور جس نے ایسا کرنے سے انکار کیا اسے طرح طرح کی اذیتیں پہونچائی گئیں، گلی کوچوں میں ان کو ذلیل کر کے تشہیر کیا گیا تو اگر امام حسین یزید کی بیعت کر لیتے اور ان باتوں کو جو آپ کے متعلق آپ کے پدر بزرگوار اور ان کے شیعوں کے متعلق کی جا رہی تھیں گوارہ کر لیتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ یہ سب چیزیں جو اب تک سنت سمجھ کر کی جا رہی تھیں فریضہ کی حیثیت اختیار کر لیتیں یہ باتیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رواج پا جاتیں اور نسلاً بعد نسلٍ ان کا سلسلہ چلتا رہتا ان میں تغیر و تبدیل کی کوئی امید باقی نہ رہتی لہذا اگر حسین اس دستور اور اس رواج کو آغاز خلافت میں تسلیم

کر لیتے تو ان کی امیدیں بھی خاک میں مل جاتیں اور ان کے اعوان و انصار جو ان سے امیدیں قائم کئے ہوئے تھے وہ بھی رفتہ رفتہ کر کے مایوسی سے بدل جاتیں جوں جوں دن گزرتے جاتے حسین کی حجت و برہان کمزور ہوتا جاتا اور ان کے دشمن کی حجت مضبوط سے مضبوط تر۔

یہ نفسیاتی محرکات تھے جو حسین کے سینہ میں اس دن سے ہیجان برپا کئے ہوئے تھے جس دن کہ بنی امیہ کے کارپردازوں نے حسین کو یزید کی بیعت کرنے کی دعوت دی اور ان سے یہ چاہا کہ مسلمانوں کی پیشوائی کا جو حق انھیں ان کی اولاد کو ان کے خاندان کو حاصل ہے اس سے باز آجائیں چاہے جو بھی خلافت کے منصب پر فائز ہو جائے اور چاہے وہ کتنا ہی ناشائستہ بے صلاحیت ہو اور کسی قسم کا بھی استحقاق خلافت نہ رکھتا ہو یہ ایسے محرکات تھے جو کسی طرح بھی حسین کو خروج سے باز نہیں رکھ سکتے تھے یہ محرکات اول یوم سے حسین کو مجبور کر رہے تھے کہ وہ دو راستوں میں سے کوئی نہ کوئی ایک راستہ ضرور اختیار کریں تیسری کوئی راہ ان کے لیے نہ تھی وہ دو راستے یہ تھے کہ یا تو اس حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں یا پھر سر تسلیم خم کریں جسے نہ ان کی مردانگی گوارا کر سکتی تھی۔ نہ ان کا ایمان اس کی اجازت دے سکتا تھا۔

شہادت اور فتحیابی

حسینی اقدام کے نتائج کا جب ہم پورے طور پر جائزہ لیتے ہیں تو بہت واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حسینؑ نے جو راستہ اختیار کیا وہ یزید کی بیعت کرنے سے کہیں زیادہ کامیاب تھا حسینؑ نے جس سال خروج کیا اسی سال درجہ شہادت پر فائز ہوئے اور یزید بھی چار برس کے اندر ہی اس دنیا سے اٹھ گیا۔

اور حسینی شہادت کو ۶ برس بھی نہیں گزرنے پائے کہ حسینؑ سے جنگ کرنے کے لیے جتنے افراد کربلا میں اکٹھا ہوئے تھے وہ سب کے سب تباہ و برباد ہو گئے کوئی شخص بھی ہلاکت اور ہولناک عقوبت سے محفوظ نہیں رہا۔ ذلت و رسوائی جو نصیب ہوئی ضمیر نے جو کچھوکے لگائے وہ الگ تھے۔

حسینی شہادت کے بعد بنی امیہ کی حکومت کو اتنی مدت بھی نصیب نہ ہوئی جتنی ایک انسان کی طبعی عمر ہوتی ہے۔ ۶۰ برس سے کچھ ہی برس اوپر گزرے ہوں گے کربلا کے واقعہ کو کہ بنی امیہ کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا اور حسینی شہادت ہی وہ مہلک بیماری تھی جو اموی حکمت کو ہمیشہ کے لیے لاحق ہو گئی یہاں تک کہ اس نے اس کا خاتمہ کر کے چھوڑا۔ یہ خون حسینؑ کا انتقام ہی تھا۔ جو بعد میں آنے والی ہر حکومت کا نعرہ بن گیا اور اسی نعرہ نے عوام کے کانوں

اور دلوں تک پہونچنے کا راستہ پیدا کر دیا۔

چونکہ یہ حسینی اقدام اپنے دور رس نتائج کے لحاظ سے بالکل صحیح ثابت ہوا اس لیے بعض مورخین کا خیال ہے کہ حسینؑ کا یہ اقدام بالکل سوچا سمجھا ہوا تھا۔ اور ان کے حسن تدبر کا بہترین شاہکار ہے۔ انھوں نے پہلے ہی دن یہ اندازہ کر لیا تھا۔ کہ آخری جیت ہماری ہی ہوگی۔ چنانچہ انھیں نہ تو اس میں کوئی شک تھا کہ ہم اس سال ضرور قتل کئے جائیں گے اور نہ اس میں کسی قسم کا شک کہ چند ہی برس کے اندر ہمارا خون ناحق رنگ لا کر رہے گا اور ہمارے قتل میں شرکت کرنے والے تمام افراد کیفر کردار کو پہونچ کر رہیں گے۔

جرمنی کا مشہور مورخ موسیو ماربین اپنی کتاب السیاسۃ الاسلامیہ میں لکھتا ہے۔

"یزید کے خلاف حسینؑ کا خروج ایک بڑے دل کا عزم محکم تھا۔ جسے نہ سر جھکانا منظور تھا نہ فوری کامیابی پسند خاطر تھی۔"

"اسی لیے حسینؑ نے اپنے اہل و عیال خویش و اقارب کو ساتھ لے کر خروج کیا اور مرنے کے بعد شاندار فتح یابی حاصل کی اور اس مسئلہ کو پھر جیتا جاگتا مسئلہ بنا دیا جسے مردہ قرار دے دیا گیا تھا یہ مسئلہ زندہ ہوتا ہی نہیں جب تک حسین اس کے لیے ایسا اقدام نہ کرتے۔"

اگر جرمنی کے اس مشہور مورخ کی یہ بات پوری طرح درست نہ بھی ہو تب بھی اس کا ایک بڑا حصہ بالکل درست ہے اس کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ ہم گزشتہ فصل "حسینی اقدام" میں لکھ چکے ہیں جس دن کہ بنی امیہ آپ کے اور آپ کی آزادی کے درمیان حائل ہوئے اور آپ کی نقل و حرکت پر انھوں نے پہرے بٹھائے آپ نے جان دے دینا گوارا کیا مگر بنی امیہ کے آگے سر جھکانا منظور نہ کیا۔ آپ اچھی طرح جانتے تھے کہ ہماری شہادت بنی امیہ کو آخر کار لے ڈوبے گی اور جان دینے کے بعد ہی ہمیں ان پر وہ شاندار فتح یابی حاصل ہو گی جو جان بچ جانے کی صورت میں نصیب ہونے والی نہیں۔

موت کا تذکرہ حسینؑ کی زبان پر اسی وقت سے رہنے لگا تھا جس وقت کہ آپ نے پہلا قدم اٹھایا جب کہ آپ سفر کی تیاریاں کر رہے تھے اور مدینہ میں اپنے اصحاب سے رخصت ہو رہے تھے آپ نے اپنے دوستوں کو رخصت کرتے ہوئے فرمایا۔

"فرزند آدم کو موت سے چھٹکارا نہیں"

آپ اس بات سے بے خبر نہ تھے کہ ہم نے جو قدم اٹھایا ہے وہ جان کی بازی لگانے کے مرادف ہے۔ قدم اٹھانے کے بعد کیسی ہولناک تباہی و بربادی کا سامنا کرنا پڑے گا اس کی

کوئی پروا نہیں ہونی چاہیئے۔ لیکن آپ اس سے بھی مایوس نہ تھے
کہ لوگ ہمارے اس اقدام کو پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھیں
گے اور شروع ہی سے ہمارے گرد اکٹھا ہو جائیں گے اور آپ جان
دیدینے ہی پر اس وقت تک نہ تلے جب تک آپ نے یہ محسوس نہ
کرلیا کہ بنی امیہ مجھے ذلیل و خوار کرنے پر آمادہ ہیں اور یہ نہ سمجھ لیا
کہ یہ لوگ اس وقت تک مجھ سے دستبردار نہ ہوں گے جب تک کہ
مجھے مجبور و بے بس کر کے عبید اللہ بن زیاد کے پاس حاضر نہ
کردیں۔

اس موقع پر سوانح نگاروں کے درمیان اس بات میں اختلاف
پیدا ہو گیا ہے کہ امام حسین کا اپنی عورتوں اور فرزندوں کے ساتھ
خروج کرنا زیادہ دوراندیشانہ تھا یا یہ مناسب تھا کہ پہلے تن تنہا
روانہ ہوتے اور اس وقت تک اہل و عیال کو پاس نہ بلاتے جب
تک اس بات کا یقین نہ ہو جاتا کہ لوگ آپ کا ساتھ دینے پر آمادہ
ہیں یا آپ کی مدد کرنے سے گریزاں اور نصرت و یاوری میں متامل۔
آج کل کے مورخین کو ایسے مسئلہ میں جیسا کہ یہ مسئلہ ہے اپنی
عقلوں اور اپنی عادات کے مطابق فیصلہ دینا ٹھیک نہیں اس
لیے کہ یہ ایسا مسئلہ ہے۔ جس میں اہل عرب کی عقل اور ایسے مواقع
پر جو ان کا طرز عمل ہوتا تھا اس کی روشنی میں فیصلہ کرنا ہوگا۔
عرب والے تو بالعموم لڑائیوں میں اپنے اہل و عیال کو ساتھ

لے کر جاتے تھے جہاں پہلے ہی سے جدال و قتال کی نیت ہوتی بر خلاف حسینؑ کے سفر کے کہ جس میں دونوں طرح کے احتمالات تھے یہ بھی کہ ہمارا یہ سفر خیر و خوبی سے طے ہوگا اور یہ بھی کہ ہو سکتا ہے کہ جنگ کی نوبت آئے۔

جنگ ذی قار کے سپاہی اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی ساتھ لے گئے تھے اور انھوں نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے اپنی سواریوں کے تسمے کاٹ دیئے تھے کہ اگر کوئی بھاگ کر جانا بھی چاہے تو نہ بھاگ سکے اہل اسلام اور مشرکین اپنے بال بچوں کو پیغمبرؐ کے غزوات میں ساتھ لے جایا کیے۔

اہل روم سے مسلمانوں نے جب لڑائی لڑی اس وقت قریش کی معزز خواتین اور پردہ نشین عورتیں ان کے ہمراہ تھیں پیغمبرؐ اسلام بھی اپنے غزوات میں برابر اپنی کسی ایک زوجہ یا متعدد ازواج کو ساتھ لے جاتے رہے۔ غرضکہ یہ عربوں کی پرانی عادت تھی اس سے ان کا مقصد اپنے ارادہ کی پختگی اپنی نیت کی سچائی اور جس مشن کو لے کر اٹھے ہیں اس مشن میں اپنے حق پر ہونے کا اظہار ہوتا تھا۔ ابن کلثوم نے بھی اپنے اس عقیدہ میں جو خانہ کعبہ میں آویزاں کیا گیا تھا۔ عربوں کی اس قدیمی عادت کی طرف اشارہ کیا ہے کہتا ہے:"

علی اثارنا بیض حسان   نحاذر ان تقسم او تھونا

یقدن جیادنا ویقلن لستم   بعولتنا اذا لم تمنعونا

ہمارے پیچھے حسین وجمیل عورتیں ہیں جن کے متعلق ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں یہ لونڈی بنا کر تقسیم نہ کرلی جائیں یا ان کو ذلیل و خوار نہ کیا جائے۔

وہ ہمارے گھوڑوں کی رہنمائی کرتی ہیں۔ اور ہم سے کہتی ہیں کہ اگر تم نے ہمیں دشمنوں سے محفوظ نہیں رکھا تو تم ہمارے شوہر نہیں۔

حسینؑ نے دعوت دی کہ وہ تمام خطرات سے بے پروا ہو کر اپنی جان نثار کریں خواہ ان کی جان و مال پر ان کی اولاد پر جتنی بھی آفتیں ٹوٹیں کیونکہ ان کا مدعا اور مطمح نظر وہ چیز ہے جس کے مقابلہ میں نہ اپنی جان و مال کی کوئی قدر و قیمت ہے نہ آل اولاد کی لہذا یہ بات مردانگی سے بعید تھی کہ لوگوں کو ایسی قربانیاں پیش کرنے کی دعوت دیتے اور خود پیش قدمی کر کے اپنی جان و مال آل و اولاد کو قربان کر کے ان کے لیے فداکاری کی نظیر نہ قائم کرتے۔

حسینؑ نے جس وقت خروج کا تہیہ کیا ان کے لیے ضروری ہو گیا کہ اپنے حق پر ہونے کے تمام مضبوط و مستحکم دلائل اکٹھا کرلیں اور دشمن کے خلاف جتنی مضبوط دلیلیں ہو سکتی ہیں وہ یکجا کر دیں تاکہ اگر حسینؑ اس خروج میں فتح یاب ہوں تو وہ طاقتور فاتح سمجھے جائیں اور اگر وہ مغلوب ہوں اور دشمن فتح یاب ہو تو یہ

فتح یاب دشمن انتہائی نفرت کی نگاہ سے دیکھا جائے اور اس کے پاس حسینؑ سے جنگ کرنے اور ان پر فتح یاب ہونے کا معمولی سا بھی جائز بہانہ نہ ہو۔

وہ مسلمان جو حسینؑ کی ان کی نسبی شرافت اور پیغمبر سے رشتہ داری کے سبب مدد کرتے وہ اس وقت اور زیادہ ان کی نصرت دیاوری میں جان لڑا دیتے۔ جب حسینؑ اپنے اہل و عیال اور عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ ہوتے تنہا حسینؑ کی مدد کرنے اور اہل و عیال کے ساتھ ہونے کی صورت میں ان کی مدد سے گریز کرنے کے کوئی معنی ہی نہیں نہ ایسی نصرت نصرت کہی جا سکتی ہے اور جس قدر اہل و عیال کے ساتھ ہونے کی صورت میں حسینؑ کی نصرت دیاوری لائق مدح و ستائش ہوتی اسی قدر حسینؑ کے تنہا نہ ہونے بلکہ اہل و عیال سمیت ہونے کی صورت میں ان کی مدد و نصرت سے گریز قابل نفرت و لائق لعنت ملامت ہوتی۔

مختصر یہ کہ حسینؑ کا حجاز سے عراق کی طرف سفر ایک بہت زبردست اقدام تھا اور اس اقدام کے نفسیاتی محرکات تھے ان محرکات سے نہ تو بے پروائی ہی ممکن تھی نہ اس کی مخالفت ہی آسان تھی۔

اس اقدام کے بہت دور رس نتائج رونما ہوئے جو اسی وقت تک منحصر نہ رہے بلکہ نسلاً بعد نسلٍ ان کا سلسلہ جاری رہا۔

حسینؑ کے اس زبردست اقدام میں ہمیں صرف اس صورت میں خامی نظر آتی ہے جب ہم اس اقدام کو ایک شخصی و انفرادی اقدام کی حیثیت سے دیکھیں جن میں فوری منفعت مدنظر ہوتی ہے اور جو روزانہ کی زندگی کے اسلوب پر ہوتے ہیں۔

اس لیے اگر حسینی اقدام کا یہ مقصد قرار دیا جائے کہ وہ اپنی ذاتی منفعت کے خواہاں تھے تو کہا جا سکتا ہے کہ ان کا یہ اقدام کسی طرح بھی ان کے لیے سودمند اور منفعت بخش نہیں تھا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حسین اپنے پسندیدہ شرائط پر خلافت کے خواہاں تھے اور اس خلافت کو مال غنیمت کے طور پر حاصل کرنا نہیں چاہتے تھے کہ اس کے لیے ہر چیز داؤں پر لگا دیتے اور ہر حیلہ و تدبیر سے اسے ہتھیانے کی کوشش کرتے اور یہی ان کی غلطی تھی انھیں چاہیئے تھا کہ ذاتی منفعت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر حیلہ و تدبیر سے خلافت پر قبضہ کر لیتے لیکن یہی چیز ان کی بالغ نظری ان کے عظیم کردار اور بلند ترین انسان ہونے کی بین دلیل ہے۔

اگر ایسے شخص کو جو جان پر کھیل جائے اور یہ سمجھ کر اپنی جان کی بازی لگا دے کہ حالات اس کی یاوری نہ کریں گے اور اس کے مقصد کے حصول میں اس کا ساتھ نہ دیا گے شہید نہ کہا جائے گا تو پھر کس کو شہید کہا جائے گا؟

اور اگر وہ شخص شہید کہلانے کا مستحق نہیں جو زمانہ کو اس

کی طبیعت کے خلاف کام کرنے پر مجبور کر دے اور طبیعت انسانی سے خیر و نیکی کا متوقع ہو درانحالیکہ نیکی بہت نایاب اور زمانہ اس کے بارے میں بہت بخیل ہے تو پھر شہید اور کون ہو سکتا ہے۔

یہ غلطی تو شہدا ئے راہ خدا ہمیشہ سے کرتے آئے اور اگر ایسی لغزش ان سے نہ ہوتی تو وہ شہید کہے ہی نہیں جاتے اور نہ دنیا زیور شہادت سے آراستہ ہوتی۔ تو حسین نے خلافت راشدہ جیسی خلافت چاہی ایسے وقت اور ایسے محل پر جہاں ایسی خلافت کا وجود میں آنا ناممکن تھا۔ یا یوں کہا جائے کہ جب صرف دنیادی خلافت کا وجود میں آنا ممکن تھا۔ اور اس کے دلدادہ مثل مردار خوار کتوں کے اس پر ٹوٹے پڑتے تھے اور ہر ممکن تدبیر سے اسے ہتھیانے کے پھیر میں تھے۔

یہی وجہ تھی کہ حسینؑ نے جتنی کوشش اس بات کی کی کہ لوگ ان کے مقصد سے آگاہ ہوں وہ جیسی خلافت قائم کرنے کے خواہاں ہیں اس سے انھیں واقفیت ہو اتنی کوشش جمعیت فراہم کرنے لشکر کی تنظیم اور لوگوں کو اپنے ساتھ اکٹھا کرنے کی ہرگز نہیں کی۔

آپ کے پہلے سفیر مسلم بن عقیل جب کوفہ پہونچے تو بالکل خالی ہاتھ تھے اور اسی خالی ہاتھ ہونے کی وجہ سے آپ کو سات سو درہم کا مقروض ہونا پڑا تھا جس کی ادائیگی کے لیے آپنے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ میری زرہ بیچ کر میرا قرضہ ادا کر دیا جائے۔

اس میں شک نہیں کہ انسان جب کسی بڑے مقصد کو لے کر اٹھتا ہے تو سب سے بڑی رکاوٹ یہی مفلسی و تہیدستی ہوتی ہے لیکن یہ رکاوٹ ایسی سخت و دشوار نہ تھی جسے دور کرنا دشوار ہوتا۔ اگر جناب مسلمؑ دنیوی وسائل یا سیاسی طریقوں سے روپیہ حاصل کرنا چاہتے تو بہت آسانی سے روپیہ حاصل کر سکتے تھے جناب مسلم جب کوفہ پہونچے تھے۔ تو جیسا کہ روایات بتاتی ہیں کہ آپ کے گرد ۳۰ ہزار آدمی اکٹھا ہو گئے تھے۔ اور انھوں نے آپ کے ہاتھ پر امام حسین کی بیعت کی تھی۔ ایسے وقت میں کوئی مشکل بات نہ تھی کہ آپ کوفہ کے دارالامارہ پر قابض ہو جاتے اور اموی حاکم کو نکال باہر کر کے حسینؑ کی حکومت قائم کر دیتے کوفہ پر قابض ہونے کے بعد یہ بھی ممکن تھا کہ آپ مشرقی ممالک کی طرف اپنے داعیوں کو بھیج کر وہاں کے لوگوں سے بیعت لیتے اپنے حاکم وہاں بھیج دیتے اور لشکر جرار تیار کر لیتے۔

اور اگر جناب مسلم نے یہ تمام مواقع ہاتھ سے کھو بھی دیئے یہاں تک کہ بنی امیہ نے بگڑے ہوئے حالات کو سنبھالنے کی جلد سے جلد کوشش کی اور عبید اللہ بن زیاد کو انھوں نے کوفہ کا گورنر بنا کر بھیج دیا تو یہی عبید اللہ بن زیاد ایک مرتبہ جناب مسلم کے ہاتھ پڑ گیا جب کہ وہ شریک کی عیادت کے لیے ان کے گھر گیا اور جناب مسلم شریک کے گھر میں موجود تھے۔ اگر جناب مسلم چاہتے

تو بہت آسانی سے عبید اللہ بن زیاد کو قتل کر کے پھر دار الامارہ پر قبضہ کر لیتے اور یزید بن معاویہ کو اس کے بہت زبردست مددگار سے محروم کر دیتے۔

مگر جناب مسلم نے یہ سنہرا موقع بھی ہاتھ سے جانے دیا کیونکہ آپ کا یہ عقیدہ تھا۔ کہ شریعت اس طرح کسی کو دھوکے سے قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتی آپ نے یہ خیال کیا کہ حق و باطل دونوں واضح ہیں ہمارا حق پر ہونا اور بنی امیہ کا باطل پر سب ہی کو معلوم ہے ایسی صورت میں دھوکے سے قتل کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے اور خواہ مخواہ کی خوں ریزی کا کیا محل ہے۔ ہم تو موجودہ حکومت کے اسی لیے مخالف ہیں کہ وہ محض شک و شبہ پر ناحق خوں ریزیاں کرتی ہے۔

جناب مسلم نے دیکھا کہ امام حسینؑ کا استحقاق خلافت فقط ایک بنیاد پر قائم ہے اور وہ یہ کہ ساری ملت اسلامیہ آپ کو خلیفہ بنانے کی آرزومند ہے۔ سبھی کی تمنا ہے کہ مسند خلافت حسینؑ کے قدموں کے نیچے ہو سب نے خوشی خاطر اور دل و جان سے آپ کی بیعت کر لی ہے۔ لیکن جب کہ حکومت کے خوف سے یا اپنے یقین کی کمزوری کے سبب یہ بیعت کرنے والے ساتھ چھوڑ کر بھاگ نکلے تو آپ نے مناسب سمجھا کہ صورت حال سے اپنے آقا کو خبر کر دیں کہ لوگ ساتھ چھوڑ کر پراگندہ ہو گئے بہتر

یہ ہے کہ آپ ادھر کا رخ نہ کریں اور جب تک ساتھ چھوڑنے والے پھر آکر ساتھ نہ ہو جائیں کسی قسم کا اقدام کرنا مناسب نہیں۔

خلافت کا ایسی آزادانہ اور پسندیدہ بنیاد پر قائم ہونا آج ہماری سمجھ میں نہیں آسکتا۔ لیکن آج سے تیرہ سو سال قبل جب کہ پیغمبرؐ کو انتقال کیے نصف صدی بھی نہیں گزری تھی اور لوگ پیغمبر اور ابوبکر و عمر کا زمانہ دیکھے ہوئے تھے۔ ایسی خلافت بہت اچھی طرح سمجھتے تھے اسی لیے حسین اور یزید کی جنگ اپنی قسم کا پہلا تجربہ تھی جو عہد پیغمبرؐ اور خلفائے سابقین کے زمانہ کے بعد پیش آیا۔ علیؑ اور معاویہ کی جنگ اتنی واضح و نمایاں نہ تھی جس میں حق و باطل، فضیلت و رذالت بالکل عالم آشکار ہو جاتی لیکن حسینؑ کی بیعت میں یہ دونوں چیزیں بالکل الم نشرح ہو گئیں۔

تو جیسا کہ ہم نے کہا یہ اپنی قسم کا پہلا تجربہ تھا جو عقیدہ و ایمان کی راہ میں فداکاری و جاں نثاری کے زمانہ (یعنی عہد پیغمبر و خلفائے سابقین کے زمانہ کے) بعد پیش آیا۔ اس زمانہ کے بعد جب کہ انسان اپنی جائداد و اموال اہل و عیال کو چھوڑ کر اپنے مخالف و دشمن اسلام باپ بھائی اور بیٹوں سے جنگ کرنے کے لیے نکل پڑتا تھا۔ اور اس زمانہ کے بعد جب کہ تھوڑے سے مسلمان بے شمار مشرکین کے مقابلہ میں آ ہنی

ص ۱۵۵ پر حاشیہ ۱۵۸ پر حاشیہ ملاحظہ ہو۔ حل۔ لغوی

دلیر اور بن کر کھڑے ہو جاتے تھے حالانکہ وہ مشرکین اسلحوں سے آراستہ اور سامان رسد اور مضبوط قلعوں کی وجہ سے ہر طرح مطمئن ہوتے۔

اور اس زمانہ کے بعد جس میں لوگ کجی و گمراہی کی حالت سے نکل کر دوسری حالت میں ہو گئے تھے اور ان کے بعد آنے والوں نے یہ سمجھ لیا تھا۔ ہم کو بھی پرانا ڈھرا چھوڑے بغیر چارۂ کار نہیں

پھر کیسے حسین ناکام رہے۔ اور یزید کامیاب ہوا ایسے زمانہ میں جب کہ پیغمبر اور خلفائے سابقین کو دنیا سے اٹھے زیادہ دن نہیں ہوئے تھے اور ان کی یاد ابھی تازہ تھی۔ حسین کا صرف ایک فقرہ جو انھوں نے اپنی ناامیدی و مایوسی کے عالم میں کہا اس بات کا مظہر ہے کہ انھیں حق کے واجب و لازم ہونے کا کتنا یقین تھا ——————— اور کتنی حیرت اس بات پر تھی کہ صورت حال جیسی ہونی چاہیئے ویسی نہیں بلکہ اس کے برعکس ہے آپ فرماتے ہیں۔

"تمام لوگ دنیا کے بندے ہیں اور دین صرف زبان کا ذائقہ بدلنے کا لقمہ ہے اس دین سے بس یہ اسی وقت تک وابستہ رہیں گے جب تک اسباب معیشت اس دین کے ذریعہ انھیں

حاصل ہوتے رہیں لیکن جب بلاؤ آزمائش کا سامنا ہوگا، تو دینداربرائے نام رہ جائیں گے"

خاکی طبیعتیں کسی وقت بھی لوگوں کی دوستی و بھلائی کے چکر میں نہیں پڑتیں اس لیے کہ وہ کبھی بھی اپنے تنگ و محدود دائرہ سے باہر نہیں آتیں اور نہ دور دراز امیدوں اور بعد میں حاصل ہونے والی منفعتوں کی کوئی فکر انھیں ہوتی۔ یہ خاکی طبیعتیں اپنی منفعت کی راہ سے کبھی جدا نہیں ہوتیں اس لیے کہ منفعت کی راہ کے علاوہ انھیں کسی دوسری راہ کی خبر ہی نہیں وہ اپنے ہاتھ کی بجھی ہوئی شمع کو آسمان کے چمکتے ہوئے ستاروں پر ترجیح دیتی ہیں وہ آسمان کے چمکتے ہوئے ستاروں پر نظر نہیں کرتیں وہ شمع کو بھی دیکھتی ہیں اور ستاروں کو بھی اور یہ سمجھتی ہیں کہ شمع ہمارے ہاتھ میں ہے۔ ہم سے قریب ہے ستارے ہمارے قابو سے باہر ہیں۔

وہ سراب سے دھوکا نہیں کھاتیں اس لیے کہ وہ کبھی اپنے خول سے باہر نہیں نکلتیں وہ پیاس کی جلن محسوس ہی نہیں کرتیں کہ سراب کی طرف متوجہ ہونے کی نوبت آئے۔

لیکن شہدائے راہ خدا کی طبیعت سودے بازی کی طبیعت کے بالکل برعکس ہوتی ہے سودے بازی کی طبیعت و سرشت مہمل و مزخرفات کی حریص ہوتی ہے اور شہداء کی طبیعت اس کی متقاضی ہوتی ہے کہ زندگی ایسی چیز پر قربان کردی جائے

جو زندگی سے بڑھ کر دیرپا ہو جسے کبھی زوال نہ ہو۔

حسینؑ ابن علیؑ انھیں شہیدوں میں سے تھے بلکہ وہ شہیدوں کے باپ اور متواتر پیش آنے والے شہادتوں کا ایسا سرچشمہ ہیں جس کی نظیر تاریخ عالم میں ڈھونڈھے سے نہ ملے گی۔

حاشیہ صفحہ ۱۵۵

ہم کو یہاں استاذ عباس محمود العقاد کی عبارت سے اتفاق نہیں حق یہ ہے کہ حق و باطل فضیلت و رذالت عہد ابی بکر و عمر و عثمان میں بھی واضح تھی اور معاویہ کے زمانہ میں بھی جو حق کے پرستار تھے۔ انھوں نے حق کا ساتھ دیا اور جو باطل کے پرستار تھے۔ وہ باطل پر جمے رہے یہ جانتے ہوئے کہ حق کس طرف ہے اور باطل پر کون۔

معاویہ کے زمانہ میں تو یہ چیز اور بھی واضح ہو گئی تھی افسوس کہ تفصیل میں سمجھانے کا موقع نہیں ہم یہاں ہندوستان کے ایک نامور مورخ احسان اللہ عباسی مصنف تاریخ اسلام کی چند سطروں پر اکتفا کرتے ہیں۔

"پیغمبر خدا کو مرے ہوئے ۲۵ برس ہو چکے تھے ان کے فیض صحبت کا اثر طبیعتوں سے زائل ہو چکا تھا جنگ جمل تک کھینچ کھانچ کر نیک نیتی اور غلط فہمی کو کھپایا گیا لیکن اب اس

کی گنجائش نہیں رہی اب یہ صاف طور پر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہ نیک نیتی کے قدم بقدم تھے یعنی دین اور دنیا دونوں کو وہ ساتھ رکھنا چاہتے تھے۔ وہ یہ گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ امت محمدی پر کوئی نااہل حکمراں یا امیر ہو۔ وہ دین کو دنیا پر مقدم سمجھتے تھے مسلمانوں کے مقابلہ میں وہ تلوار بھی اٹھاتے تھے تو اس لیے کہ بغاوت کا رفع کرنا اور ناسزاؤں کو سزا دینی ضروریات سے تھا یہ بھلا یا برا بس اس کے سوا اور کوئی فعل وہ ایسا نہ کرتے تھے جو کسی فریق کے نزدیک مذہب کے خلاف یا اخلاقی خوبیوں کے منافی ہوتا مسلمانوں کا دوسرا گروہ ان لوگوں کا مجموعہ تھا جو دنیاوی لذتوں کو مقدم سمجھتے تھے اور دنیا زور الخصوص الا بازور پر عمل کرنے میں تامل نہ کرتے تھے یہ گروہ دیکھا دیکھی بڑھتا گیا اور سنت نبوی سے الگ ہو کر شام اور عجم کے سلاطین اور ان کے ارکین کا رنگ پکڑتا گیا معاویہ اس گروہ کا سردار تھا اتفاق زمانہ نے اس کو سردار بنا دیا یا یوں کہئیے کہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو اپنے مافی الضمیر کے اظہار کا موقع ملا معاویہ کے بعض ساتھیوں کو مکر کرنے جھوٹ بولنے اور مسلمانوں کے خون ناحق بہانے میں کوئی تامل نہ تھا اور یہاں علی ابن ابی طالب کو بڑی دقت یہ تھی کہ خود کو احکام شرع کا پابند رکھتے تھے الی آخرہ۔

ص ۳۰۹

تاریخ اسلام مولفہ احسان اللہ عباسی مطبوعہ گورکھپور

کربلا

کربلا

حرم مقدس

پہلے اس سرزمین کا نام کور بابل تھا۔ پھر بدل کر کربلا ہوگیا۔ اس تبدیلی کی بنا پر ایک اور تغیر کو راہ ملی اور کرب و بلا کہا جانے لگا جیسا کہ بعض شعراء نے نظم کیا ہے۔

اس سرزمین کو پہلے کوئی قابل ذکر اہمیت حاصل نہ تھی نہ اس کا محل وقوع ایسا تھا نہ اس کی مٹی میں کوئی ایسی خصوصیت تھی اور نہ اس کے واقعات ہی ایسے تھے جو کسی کو ترغیب دلاتے کہ وہ اس سرزمین کو آکر دیکھے اور جاتے وقت اس کی یاد اپنے حافظے میں محفوظ کر کے لے جائے سال پر سال گزرتے رہے

ایک زمانہ کے بعد دوسرا زمانہ آتا رہا۔ مگر نہ اس کا نام سنا گیا اور نہ اس کے وجود کا احساس ہی کسی کو ہوا۔ صرف نینوا اور اس کے مضافات کا نام لیا جاتا تھا۔ اور کربلا اسی نینوا کے مضافات میں گمنام طور پر محسوب ہوتا تھا۔

اتفاقات ایسے پیش آئے کہ حسینی قافلہ جب اس کی راہیں ہر طرف سے مسدود کر دی گئیں اس سرزمین پر آکر ٹھہرا اس وقت سے کربلا کی تاریخ پورے اسلام کی تاریخ سے اس طرح وابستہ و پیوستہ ہو گئی کہ اسے اسلام سے کسی طرح جدا ہی نہیں کیا جا سکتا۔

بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ انسانیت کی تاریخ سے کربلا کی تاریخ وابستہ و پیوستہ ہو گئی جب سے کہ انسان، انسان کہے جانے کے قابل ہوا۔

آج وہ کربلا کی سرزمین حرم مقدس ہے کہ مسلمان عبرت اور یاد تازہ کرنے کے لیے اس کی زیارت کو آتے ہیں اور غیر مسلم مشاہدہ نظر کے لیے لیکن اگر اس سرزمین کے ساتھ انصاف سے کام لیا جائے تو اس کا حق ہے کہ ہر شخص کی زیارت گاہ قرار پائے جو اپنے بنی کی کچھ بھی فضیلت و بزرگی کا قائل اور انسانی اقدار کا تھوڑا بہت بھی معترف ہے۔

ہمیں تو زمین کا کوئی حصہ ایسا نہیں معلوم ہوتا جس کا نام

نوع انسانی کے جملہ فضائل و مناقب کے ساتھ وابستہ ہے جس طرح حسین کی شہادت کے بعد کربلا کا نام فضائل انسانی سے وابستہ ہو گیا۔

ہر وہ ملکوتی صفت جس کی وجہ سے انسان انسان ہے اور جس کے بغیر اس میں اور جانوروں میں کوئی فرق نہیں وہ تمام صفتیں شہادت حسین کی بدولت زندہ ہیں اور سرزمین کربلا پر ان کا عملی ثبوت ملتا ہے۔

نوع انسانی کے جتنے بھی اعلیٰ اور روحانی صفات ہیں ایمان فداکاری۔ ایثار۔ بیداری ضمیر۔ حق کو بزرگ سمجھنا احساس فرائض مصیبتوں میں پامردی ظلم و ستم کے آگے سر نہ جھکانا۔ موت کا مردانہ وار مقابلہ کرنا۔ اور اسی قسم کے اعلیٰ صفات یہ سب کربلا میں جلوہ گر ہوئے جب سے کہ حسینی قافلہ یہاں آکر فروکش ہوا۔

کربلا کے سوا کسی سرزمین پر کبھی نہ یہ تمام روشن صفتیں اکٹھا ہوئیں اور نہ کسی اور موقع پر اس طرح تابندہ ہوئیں جس طرح حادثہ کربلا میں ہوئیں وہ حادثہ کربلا قضا و قدر نے جس کے ایک پہلو کو آدمیت کے لیے بہترین زیبائش و زینت بنایا تو دوسرا پہلو شرمناک ترین ننگ و عار کربلا کے شہیدوں کا کردار کتنا مضبوط و مستحکم تھا اس کا اندازہ آپ کو اس سے ہو سکتا ہے کہ جتنے بھی کربلا میں شہید ہوئے سب کے بس میں یہ بات تھی کہ ایک فقرہ زبان سے

کہہ کر ایک قدم اٹھا کر اپنی جان بچا ے قتل کی اذیت نہ برداشت کرے لیکن ان میں سے ہر فرد نے بھوک پیاسے جان دینا گوارا کیا مگر وہ نقرہ زبان پر لانا یا وہ قدم اٹھانا انھیں گوارا نہ ہوا اس لیے کہ انھوں نے کردار کی بلندی و خوبصورتی کو زندگی کے سارے سامان پر ترجیح دی۔

ان شہیدوں کے سید و سردار کے کردار کی مضبوطی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان شہیدوں نے اپنی جان اس سید و سردار پر قربان کر دیں۔ اور کوئی شخص اپنے ساتھیوں میں جاں نثار کر دینے کا جذبہ اس وقت تک پیدا نہیں کر سکتا جب تک وہ خود اس قابل نہ ہو کہ اس کے لیے جان قربان کر دی جائے اور اس کی تحریک کی راہ میں اپنے کو فنا کر دیا جائے۔

ہم آپ کے ساتھ مرینگے

نوجوان فرزند علی اکبر اپنے باپ کے پاس آئے۔ آپ کو اندازہ ہو چکا تھا کہ ہم لوگوں کے لیے دو ہی راہیں کھلی ہیں یا تو لڑ بھڑ کر جان دے دیں یا یزید کی بیعت کر لیں۔ آپ نے اپنے پدر بزرگوار سے پوچھا۔

کیا ہم حق پر نہیں ؟

آپ کے پدر بزرگوار نے جواب میں فرمایا۔

بے شک قسم اس ذات کی جس کی طرف تمام بندگان خدا کی بازگشت ہے"

نوجوان نے کہا۔

"بابا جان تب ہمیں موت کی کوئی پرواہ نہیں"

جو جذبہ علی اکبر کا تھا وہی باقی تمام شہدائے کربلا کا تھا کسی کو بھی موت کی پرواہ نہ تھی۔ وہ جانتے تھے کہ ہم حق پر قائم ہیں اور اسی حق پر ہمارا دم نکلے گا۔

حسینؑ نے یہ طے کر کے کہ یزید کی بیعت تو بہر حال نہ ہو گی چاہا کہ خود اکیلے ہی اپنی قربانی پیش کریں آپ کے رفقاء و انصار کی جانیں محفوظ رہیں۔ آپ نے کئی مرتبہ اپنے اصحاب کو اپنے پاس جمع کیا اور ہر مرتبہ فرمایا۔

"تم نے ہمارا حق ادا کیا ہر ممکن ہماری مدد کی۔ یہ لوگ صرف میرے سر کے طلب گار ہیں اگر مجھے قتل کر ڈالیں تو دوسرے کی انھیں فکر نہ ہو۔ جب رات تاریک ہو جائے تو اس کی تاریکی میں تم لوگ منتشر ہو جاؤ اور اپنی جانیں بچاؤ۔

آپ کے انصار نے یہ جملہ سنا تو ان کی سراسیمگی کی انتہا نہ رہی دوسروں کے برعکس جو موت سے ڈرتے ہیں رفقائے حسینی ساتھ چھوڑ کر چلے جانے کے ذکر سے گھبرا گئے۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا۔

خدا کی پناہ ہم آپ کا ساتھ چھوڑ کر چلے جائیں تو لوگوں کو کیا منھ دکھائیں گے۔ کیا لوگوں سے یہ کہیں گے کہ ہم اپنے سید و آقا اپنے سید و آقا کے فرزند اپنے پشت پناہ کو چھوڑ آئے انھیں نیزہ و شمشیر کے حوالہ کر دیا۔ اور زندگی کی طمع میں انھیں چھوڑ کر بھاگ آئے خدا کی پناہ یہ ہرگز نہ ہوگا۔ ہم آپ کے ساتھ جئیں گے آپ کے ساتھ مریں گے۔"

رفقائے حسینی نے کہا کہ "ہم آپ کے ساتھ مریں گے۔ ان میں سے کسی کے دل میں اس بات کا خیال تک نہ ہوا کہ حسینؑ کو اس کا مشورہ دے کہ آپ اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کریں اپنی بھی جان بچانے کی کوشش کریں اور ہماری بھی۔ اگر رفقائے حسینی اپنے نفس کو تھوڑا سا فریب بھی دیتے تو یہی کہتے کہ یزید کی بیعت کرنا بہت مناسب ہے وہ اس مشورہ کو مخلصانہ نصیحت کا نام دیتے اپنے کو آپ کی سلامتی کا خواہاں قرار دیتے۔ لیکن رفقائے حسینی نے نہ اپنے نفس کو دھوکا دیا، نہ حسینؑ کو انھوں نے دیکھا کہ سچی خیر خواہی حسین کی یہی ہے کہ حسینؑ کو جان دینے سے نہ روکا جائے وہ بھی اپنی جان دے دیں اور ان کے ساتھ ہم سب بھی موت سے ہمکنار ہو جائیں مگر حسین یزید کے آگے سر نہ جھکائیں۔

وہ سب کے سب آپ کے خویش و اقارب ہی نہ تھے بلکہ بہت سے ایسے تھے جنھیں حسین سے کوئی رشتہ داری نہ تھی انھوں نے

حسینؑ کو بھی یہی نصیحت کی اور اپنے نفس کو بھی یہی نصیحت جو ننگ و عار سے توڑ رہی تھی۔ مگر موت سے قطعی بے خوف تھی۔ زہیر بن قین نے عرض کیا۔

خدا کی قسم میری تو تمنا ہے کہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ ہوں پھر قتل کیا جاؤں یہاں تک کہ ہزار مرتبہ میں آپ کی نصرت میں مارا جاؤں مگر خداوند عالم آپ کی جان کو ان نوجوانوں کی جانوں کو آپ کے اہلبیت کو محفوظ رکھے"

مسلم ابن عوسجہ نے تڑپ کر کہا۔

مولا کیا ہم آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں ؟ کل قیامت کے دن خدا کو کیا جواب دیں گے اور آپ کا حق نہ ادا کرنے کی کیا معذرت کریں گے۔ نہیں قسم بہ خدا ایسا نہیں ہو سکتا میں اپنے نیزے ان کے سینوں پر ماروں گا۔ ان پر اپنی تلوار کا اس وقت تک وار کرتا رہوں گا جب تک تلوار ہاتھ میں رہے گی۔ اگر میرے پاس کوئی اسلحہ نہ بھی رہے گا۔ تو میں انھیں پتھروں سے ماروں گا خدا کی قسم ہم آپ کو چھوڑ کر ہرگز نہیں جا سکتے یہاں تک کہ خداوند عالم دیکھ لے کہ رسول اللہ کا جو پاس و لحاظ آپ کے بارے میں ہونا چاہیئے تھا۔ اس میں ہم نے کمی نہیں کی خدا کی قسم اگر ستر مرتبہ بھی میں مارا جاؤں۔ تب بھی میں آپ کا ساتھ اس وقت تک نہ چھوڑوں گا جب تک کہ موت نہ آجائے"

آپ کے انصار میں سے کسی کو یہ خبر ملی کہ اس کا فرزند دیلم کے فتنہ میں گرفتار ہو گیا ہے اور دیلم والے بغیر زر فدیہ لیے چھوڑنے والے نہیں۔ امام مظلوم نے اس صحابی سے فرمایا کہ تم میری بیعت سے آزاد ہو۔ جاؤ اور اپنے فرزند کا زر فدیہ ادا کر کے اس کی رہائی کی تدبیر کرو۔ اس صحابی نے سختی سے انکار کیا۔

"میری اور میرے فرزند کی جان راہ خدا میں قربان مولا یہ تو ہرگز نہ ہوگا کہ میں آپ کو چھوڑ کر چلا جاؤں پھر ہر قافلہ والوں سے آپ کی خبر دریافت کرتا رہوں۔ خدا کی قسم یہ قیامت تک نہ ہوگا"۔

یہ بلند و پاکیزہ ترین اخلاق، شہدائے کربلا کے سردار و پیشوا کی فطرت و سرشت میں انتہائی درجہ کمال کو پہونچے ہوئے تھے۔ حسین نے کربلا میں جو طرز عمل پیش کیا اگر کوئی اس کا غائر نظر سے جائزہ لے تو اسے اندازہ ہوگا کہ آپ کے پاکیزہ خصائل و اخلاق ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے تھے کہ کون آج کے دن سارے فخر و ناز کا مالک بنتا ہے وہ یہ فیصلہ نہ کر پائے گا کہ آیا حسین شجاعت میں بہت زیادہ بڑھے ہوئے تھے یا صبر میں کرم میں حد سے بڑھے ہوئے تھے یا اپنے ایمان۔ حمیت دینی اور غیرت حق میں انتہائی نقطۂ عروج پر فائز تھے یہ ضرور ہے کہ وہ دن شجاعت اور بے خوفی کا دن تھا شجاعت

ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا دریا تھی اور دوسرے پاکیزہ خصائل کی حیثیت معاون دریاؤں کی تھی۔ جو آکر اس بڑے دریا کی عظمت میں اضافہ کر رہے تھے۔ حسین اسد کردگار علی ابن ابی طالب کے فرزند تھے۔ جسمانی اور روحانی دونوں شجاعتوں میں بیک وقت بلند ترین منزل پر فائز۔ آپ کی شجاعت ضرب المثل تھی آپ کے زمانے والے آپ کو نسل آدم و حوا کا سب سے بڑا شجاع و بہادر مانتے تھے۔ آپ نے اپنے دل پر قابو رکھا جبکہ ارد گرد کی ہر چیز دل کی قوت کو ختم اور ہمت کو شکستہ کرنے والی تھی۔ آپ نے اپنے دل پر قابو رکھا جبکہ ارد گرد آپ کے گھر کی خواتین کمسن فرزند تھے تین روز کے بھوکے پیاسے جو آپ کا دامن پکڑ لیتے تھے۔ آپ نے اپنے کو قابو میں رکھا پورے ہوش و حواس اور بصیرت و دانائی کے ساتھ اس شخص کی طرح نہیں جو غیظ و غضب میں آپے سے باہر ہو جائے نہ اس شخص کی طرح جو ہیجان میں آکر لڑائی میں پھاند پڑے آپ جنگ شروع ہونے کے پہلے بھی اور ٹھیک وقت کارزار بھی پوری طرح ہوش و حواس اور ضبط و نظم کا پیکر تھے عزم و ارادہ میں سستی یا کمزوری کا شائبہ تک نہ آنے دیا۔ جس طرح شیر اپنے ایال جھٹک کر گرد و غبار دور کر دیتا ہے اسی طرح دلیرانہ انداز میں آپ نے عزم و ارادہ سے سستی و کمزوری جھٹک کر دور کر دی تھی اس ہولناک وقت میں آپ کے دل میں نہ ذرہ برابر افسوس تھا نہ رنج

دلال اگر کچھ تھا بھی تو اپنے پیاروں اور عزیزوں کے لیے جن پر آپ کی نگاہیں لگی ہوئی تھیں اور وہ آپ کو تک رہے تھے آپ ان کی چیخیں سنتے اور وہ آپ کی آواز پر کان لگائے ہوئے تھے آپ نے اپنے خیموں پر نظر کی اور مخدرات عصمت کا خیال کرتے ہوئے فرمایا۔ للہ در ابن عباس خدا بھلا کرے ابن عباس کا جو انھوں نے ان عورتوں کے متعلق مجھے رائے دی تھی۔

شب عاشور آپ اپنے خیمہ میں بیٹھے تیروں کو ٹھیک کر رہے تھے۔ سامنے بیمار بیٹا لیٹا ہوا تھا۔ یہ شعر آپ کی زبان پر جاری تھے۔

یا دھر اف لک من خلیل
کم لک بالاشراق والاصیل
من صاحب وماجد قتیل
والدھر لا یقنع بالبدیل
والامر فی ذالک الی الجلیل
وکل حی سالک سبیلی

وائے ہو تجھ پر اے زمانے تو کیا ہی برا دوست ہے صبح و شام کتنے ذی شرف احباب تلوار کے گھاٹ اترتے ہیں زمانہ عوض اور بدل پر قناعت نہیں کرتا اور یہ معاملہ تو خدائے برتر کے ہاتھوں میں ہے اور ہر زندہ میری راہ پر چلنے پر مجبور ہے۔

حضرت کے بیمار فرزند نے یہ اشعار سن کر اپنے آنسو ضبط کر لیے تاکہ باپ کے رنج و اندوہ میں میرے رونے سے مزید اضافہ نہ ہو لیکن آپ کی بہن یہ درد بھرے اشعار سن کر ضبط نہ کر سکیں وہ اپنے خیمے سے فریاد کرتی ہوئی آپ کے پاس پہونچ گئیں۔

ہائے مصیبت آج کے دن نانا رسول اللہؐ نے انتقال کیا مادر گرامی فاطمہ زہرا دنیا سے اٹھ گئیں پدر بزرگوار علی ابن ابی طالب اور بھائی حسن دنیا سے اٹھ گئے۔ ہائے بھائی حسینؑ کاش مجھے موت آجاتی اے بزرگوں کی نشانی اور موجودہ افراد کے سہارے زینب کے نوحہ و بکا پر امام مظلوم بھی رو دیئے لیکن آپ نے جو عزم مصمم کر لیا تھا۔ اس میں ذرہ برابر کمزوری نہیں آئی آپ نے فرمایا۔

بہن اپنا اختیار ہی کیا ؟

آپ برابر بہن کو قسمیں دیتے اور تسلی دلاتے رہے درانحالیکہ خود آپ کا دل پوری طرح پرسکون، موت سے ٹکرانے بیعت سے انکار اور ابن مرجانہ کے آگے سر نہ جھکانے میں آپ پہاڑ جیسے تھے۔ زینب جب روتے روتے بے ہوش ہو گئیں تو آپ انھیں اٹھا کر خیمے میں پہونچا آئے۔

سلطنتیں بنتی اور بگڑتی ہیں۔ حکومت ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھوں میں منتقل ہوتی رہتی ہیں تمنائیں کبھی پوری ہوتی ہیں کبھی

ناکام لیکن بلند و پاکیزہ اخلاق ان سلطنتوں اور ان کے خزانوں سے کہیں زیادہ اس لائق ہیں کہ انسان کے سینے میں محفوظ رہیں حقیقت یہ ہے کہ پہاڑوں اور آسمانوں کے ستاروں سے بھی بڑھ کر یہ اخلاق پائندہ ولازوال ہیں۔

نور و ظلمت کی جنگ

حسینؑ کا لشکر جیسا کہ سبھی جانتے ہیں بہت مختصر تھا جس کے مقابل ایک بہت بڑی طاقت ور فوج تھی۔ حسینؑ کے لشکر اور اس یزیدی لشکر میں زمین و آسمان کا فرق تھا دونوں میں اتنی ہی دوری تھی۔ جتنی مشرق و مغرب میں ہو سکتی ہے اس لیے کہ یزیدی لشکر والے سب کے سب تیرہ باطن بدکار شقاوت و بہیمیت میں حد سے گزرے ہوئے تھے ان میں پاکیزہ اخلاق کا شائبہ تک نہ تھا کیا یہ سب اتفاقی بات تھی یا کسی نظام کے تحت ایسا ہوا تھا ہم تو یہ جانتے ہیں کہ اتفاقات کا ایک سلسلہ تھا جن کا باہمی ارتباط و وابستگی ہماری نظروں سے پوشیدہ ہے لیکن یہ اتفاقات اپنے دامن میں عجائب وغرائب سمیٹے ہوئے ہیں دیکھنے والوں کی نگاہیں ان اتفاقات میں اگرچہ کوئی نظام نہیں پاتی لیکن ان کی حیرت ناکی کی وجہ سے ششدر ضرور رہ جاتی ہیں۔

کربلا کے آس پاس کا علاقہ ہمیشہ سے نور و ظلمت کی جنگ

کی آماجگاہ رہا ہے۔ اس کے ارد گرد ایسے لوگ بستے ہیں جو زندگی کو خیر و شر کی دائمی جنگ کا سلسلہ تصور کرتے تھے۔ لیکن یہ تصورات کوئی یقینی شکل نہیں رکھتے تھے۔

تاریخی اتفاقات نے چاہا کہ یہی سرزمین جو یزدان و اہرمن کی جنگ پر ایمان رکھتی تھی ایسی خونریز جنگ کا مشاہدہ کرے جسے یزدان و اہرمن کی جنگ کہنے کے بجائے نور و ظلمت کی جنگ کہنا زیادہ مناسب ہے۔ وہ جنگ تھی حسینؑ کی اپنے دشمنوں سے۔

ہمارے نزدیک یہ جنگ جو اس سرزمین پر حسین اور ان کے دشمنوں کے درمیان ہوئی اسلام اور مجوسیت کی جنگ کی بہ نسبت نور و ظلمت کی جنگ کہے جانے کی زیادہ مستحق ہے اس لیے کہ مجوسی بھی جو لڑتے تھے تو اپنے مذہبی جذبہ کے تحت وہ اپنے مذہبی عقائد و نظریات کے مطابق جس چیز کو ناپسند کرتے تھے اس کو دور کرنے کے لیے برسر پیکار ہوتے تھے۔ لیکن ابن زیاد نے جو لشکر حسین سے لڑنے کے لیے بھیجا تھا۔ وہ ایسا لشکر تھا جو اپنے پیٹ کے لیے اپنے دل سے برسرپیکار تھا۔ یا اپنے حاکم کے لیے اپنے دل سے برسرپیکار تھا یا ——— اپنے حاکم کے لیے اپنے پروردگار سے آمادہ جنگ تھا اس لشکر میں ایک آدمی بھی ایسا نہ تھا جو حسین کے حق کا منکر یا یزید

کے حق کے راجح ہونے کا قائل ہو نہ ان میں کوئی ایسا کافر تھا جو اسلام کے عقیدہ کے خلاف دوسرا عقیدہ رکھنے والا ہو ہاں کوئی اپنے دل میں کفر چھپائے ہو تو دوسری بات ہے۔ لیکن وہ گنتی کے چند ہی آدمی رہے ہوں گے اگر وہ لوگ کسی عقیدے کی بناء پر حسین سے لڑ رہے ہوتے تو انھیں نہ نفاق کا عیب لگتا نہ بد کرداری کا۔ لہٰذا ان کی عداوت و دشمنی اس شخص سے جس کے متعلق انھیں یقین تھا کہ یہ حق پر ہے شرمناک ترین تھی اس شخص کی عداوت سے جو کسی چیز کو ناواقفیت کی بناء پر دشمن رکھے۔ شام والے تو حق کو پہچانتے ہوئے اس سے برسر پیکار رہتے۔

اسی وجہ سے ان کا موقف انتہائی تیرہ و تاریک تھا نور کی ہلکی سی شعاع بھی وہاں تک نہ پہونچی تھی کہ انھیں فرض کا احساس ہوتا اور واجب پر وہ ایمان لاتے لہٰذا حقیقت یہ ہے کہ کربلا میں دنیائے ظلمت کی طاقت عالم نور کی طاقت سے برسر جنگ تھی۔

ان میں بہت سے ایسے لوگ تھے جنھوں نے حسین کو خط لکھ کر کوفہ بلایا تھا۔ تاکہ یزید سے جنگ کرنے کے لیے آپ کے ہاتھوں پر بیعت کریں۔ عمر ابن سعد نے ان لوگوں کو آواز دی کہ آگے بڑھ کر حسین کا سامنا کرو اور ان کی بات کا جواب دو

توان لوگوں نے عمر سعد سے معافی چاہی کوئی بھی حسین کے سامنے نہیں آیا۔ اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ اگر ہم نے حسین سے پوچھا کہ آپ یہاں کیوں آئے ہیں تو وہ یہی جواب دیں گے کہ ہم خود سے نہیں آئے تم نے بلایا تھا تمہارے بلانے پر آئے ہیں۔

کچھ لوگوں پر ایسی بدحواسی و سراسیمگی طاری ہوئی جس نے مرتے دم تک ان کا پیچھا نہیں چھوڑا اس لیے کہ انھیں اچھی طرح معلوم تھا کہ ہم سے کتنا ہولناک ترین جرم سرزد ہو چکا ہے انھیں میں سے ایک شخص جو ابان بن دارم کے خاندان سے تھا کہتا تھا۔

میں نے حسین کے ہمراہیوں میں سے ایک کمسن نوجوان کو قتل کیا جس کا سبزہ بھی ابھی آغاز نہ ہوا تھا اس کی پیشانی پر سجدہ کا نشان تھا۔ اس کو قتل کرنے کے بعد میں کوئی رات نہیں سویا جس میں وہ نوجوان میرے پاس نہ آیا ہو اور میری گردن پکڑ کر جہنم میں نہ لے گیا ہو۔ میری ہر صبح چیختے چلاتے ہوتی تھی اور قبیلہ کا ہر شخص میری چیخیں سنتا تھا۔

اس شخص کو کچھ عرصہ کے بعد اس کے کسی دوست نے دیکھا اس کا چہرہ متغیر اور رنگ سیاہ پڑ چکا تھا اس نے کہا کہ مجھے تو تمہارا پہچاننا مشکل ہو گیا۔ تم تو پہلے بڑے سرخ و سفید تھے۔

انھیں میں کچھ ایسے لوگ تھے جو لڑائی کے وقت حسینؑ سے

بچتے پھرتے تھے اس ڈر سے کہ کہیں حسین کو زخمی نہ کر دیں یا خود
ان کے ہاتھوں زخمی نہ ہوں اگر وہ یہ جانتے ہوئے آپ سے
برسرِ پیکار ہوتے کہ آپ اسی قابل ہیں کہ آپ سے جنگ کی جائے
اور وہ آپ سے نہ کتراتے اور نہ آپ کا خون بہانے میں تامل
کرتے تو کہا جا سکتا تھا۔ کہ یہ لڑائی دو نظریوں دو مذہبوں اور
دو شجاعتوں کی لڑائی ہے۔ لیکن انھوں نے لڑائی کے وقت
حسین سے کترا کر خود اپنا راز فاش کر دیا دنیا پر یہ بات واضح
ہو گئی کہ خود وہ اپنے عقیدہ و نظریہ سے برسرِ پیکار تھے اپنے
سید و آقا سے جنگ کر رہے تھے۔ جس کی بے انتہا عزت و
حرمت ان کے دل میں تھی اور یہ ان کی شرمناک رسوائی تھی۔
مزید برآں یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ ابن زیاد کے لشکر نے
کربلا میں جس شرمناک رذالت و خباثت کا مظاہرہ کیا وہ
بودے پن اور حرص و ہوس کی بنا پر کیا اس لیے کہ بزدل اور حریص
انسان بے وجہ مقتولین کے ہاتھ پیر نہیں کاٹتا بہیمیت و درندگی
سے نہیں کام لیتا تڑپا تڑپا کر نہیں جان لیتا جبکہ اس کی ضرورت
بھی نہ ہو۔ شیر خوار بچہ کا قتل جبکہ وہ خود ہی پیاس سے دم
توڑنے کے قریب ہو اس کے متعلق کون کہہ سکتا ہے کہ بزدلی
کی بناء پر کیا گیا۔ یا مال اور زر کی طمع سے مجبور ہو کر ایسی شرمناک
حرکت کی گئی۔ کربلا کے میدان میں اس قسم کی کمینگی کی بے شمار

حرکتیں کی گئیں جنھیں صرف بنی ہاشم بنی طالب یا دشمنان بنی امیہ ہی نے نہیں بیان کیا ہے بلکہ خود اموی لوگوں نے نقل کیا ہے۔

ہم ان تمام کمینگی ورذالت کی ایک ہی توجیہ کر سکتے ہیں یعنی انسان کے نفس میں شروفساد کا رسوخ اور اتنا غلبہ و تسلط کہ وہ عقل انسان کو مغالطہ میں ڈال دے اور اسے اتنا مغلوب کر لے کہ اس میں مقابلہ کی طاقت نہ رہے پھر جہاں چاہے اسے لے جائے۔

خبیث آدمی جو اپنی خباثت میں انتہا کو پہونچا ہوتا ہے تنہائی میں ذلیل سے ذلیل حرکتیں کرتا ہے اور چونکہ دیکھنے والوں کی نگاہوں سے محفوظ ہوتا ہے اس لیے اپنی دناءت ورذالت سے اسے انکار بھی نہیں ہوتا۔ مگر یہ چار ہزار فوجی جو کربلا میں حسینؑ سے برسرپیکار تھے اپنی دناءت وخباثت کے قائل نہ تھے اور نہ وہ ایک دوسرے سے کہتے کہ ہم انتہائی ذلیل حرکتوں کے مرتکب ہو رہے ہیں اور ایسا شرمناک فعل ہم سے سرزد ہو رہا ہے۔ جس کی وجہ سے ہم ذلت ورسوائی کے ہم سزاوار ہیں۔ ہمارا کوئی عذر قابل قبول نہیں نہ کوئی تعلیل جائز ہے بلکہ ان کی حالت یہ تھی کہ وہ اور بہادر بن رہے تھے۔ اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے۔

تھے کہ ہمیں کوئی تذبذب کسی قسم کی قلبی کشاکش اور ذہنی انتشار نہیں اپنے کو ایسے سخت صداقت شعار ظاہر کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ جو حد سے بڑھی ہوئی خوش بینی و خوش پسندی کے سبب اپنے اعمال کی درستی و راستی میں ذرہ برابر شبہ نہیں رکھتے چنانچہ ہر شخص آنکھیں بند کر کے نفاق کے پردے میں چھپا ہوا تھا۔ اور اپنے نفس کو اپنے دل کی طرف سے فریب دے رہا تھا۔

اسی کو کہتے ہیں نفس میں شر و فساد کا رسوخ اور اتنا غلبہ و تسلط کہ وہ عقل انسانی کو مغالطہ میں ڈال دے۔

اس سرکشی و نفس کی بے لگامی کے بے شمار ثبوت روزانہ کے مشاہدات میں ملتے ہیں ایک انسان کوشش کرتا ہے کہ شراب نوشی کی عادت ترک کر دے مگر اس سے یہ عادت ترک نہیں ہوتی اب وہی شخص سارا پاس و لحاظ بالائے طاق رکھ کر دن رات شراب میں غرق رہنے لگتا ہے اسے اس کی قطعی پروا نہیں ہوتی کہ لوگ ہمارے متعلق کیا کہیں گے۔ گویا اب اس کا مقولہ یہ رہتا ہے۔ دع عنک لومی فان اللوم اغراء میری سرزنش رہنے دو سرزنش سے اور آتش شوق بھڑکتی ہے۔

ایک عورت چاہتی ہے کہ شرم و حیا کے پردے میں مخفی رہے ہوا و ہوس کی پیروی نہ کرے لیکن جلد ہی ہوا و ہوس

اسے اس طرح بے بس کر دیتی ہے کہ شرم و حیا کے نقاب کو اپنے چہرے سے نوچ کر پھینک دیتی ہے اور ایسی حرکتیں کرنے پر اتر آتی ہے۔ جیسی حرکتیں اس عورت نے کبھی نہ کی ہوں گی جسے اپنی پاک دامنی کی کبھی فکر نہ ہوئی۔

کربلا کے ستمگاروں نے جو بدترین ظلم و ستم کیے جبکہ جنگ کا کوئی محرک نہ تھا اور نہ کوئی ایسی مجبوری ہی تھی۔ جو جنگ کو جائز قرار دیتی وہ اس بات کا ثبوت ہیں کہ ان کے نفوس میں سرکشی و غرور ظلم و عدوان پوری طرح راسخ تھا جبکہ اصحاب حسینی کے نفوس میں حق کا شعور و احساس اور حق پرستی کا جذبہ راسخ تھا۔

ہمیں اس کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ ہم اس سے بحث کرنے بیٹھیں کہ وہ لوگ جو پیدائشی مجرم تھے اور ظلم و تعدی جن کی فطرت میں داخل تھی۔ انھوں نے یہ جرائم کس سبب سے کیے ان کے جرائم کی علت کیا تھی جیسے شمر ابن ذی الجوشن اور اسی جیسے دوسرے اشخاص ان سے سوا ایسے قبیح و ہولناک جرائم کے کوئی دوسرا کام سرزد ہونا ممکن ہی نہ تھا۔ وہ اگر چاہتے بھی تو نہ کر سکتے تھے ان سب باتوں کے علاوہ یہ جنگ شرافت اور کمینہ پن کی جنگ تھی یا قلب و شکم کی لڑائی تھی۔ یا نور و ظلمت کی معرکہ آرائی تھی۔ لہذا مناسب یہی تھا کہ یہ جنگ طرفین کی اخلاقیات کی جولانگاہ بن جاتی دونوں فریق اپنی اپنی صلاحیتوں کا امکانی

حد تک مظاہرہ کر گزرتے ایک اپنی شرافت اور پاکیزہ فطرت کی انتہا دکھلا دیتا اور دوسرا اپنی کمینگی و خباثت کی آخری حد چنانچہ ہوا بھی ایسا ہی یعنی اس جنگ نے دونوں کے اخلاق و کردار کا نقطہ آخری واضح کر دیا۔

جبکہ یہ دونوں قوتیں شروع سے ایک دوسرے کی رقیب ایک دوسرے سے برسرپیکار تھیں تو یہ بہت مشکل ہے کہ ہم جنگ کے آغاز یا لڑائی کے واقعات یکے بعد دیگرے تسلسل کے ساتھ جس طرح کہ وہ پیش آئے بیان کر سکیں اس لیے کہ واقعات کربلا کے متعلق اقوال ایک دوسرے سے ملتے نہیں خواہ ان واقعات کے بیان کرنے والے طرفداران حسین ہوں یا ہوا خواہان یزید۔

البتہ طبعی طور پر جس ترتیب سے واقعات پیش آئے ہوں گے عقل اس کا بخوبی اندازہ کر سکتی ہے وہ یہ کہ میدان کربلا میں حسین کا محاصرہ کر لیا گیا تاکہ وہاں سے وہ بالکل نکل نہ سکیں گھاٹ پر پہرے بٹھا دیئے گئے تاکہ پیاس سے جاں بلب ہو کر حسین بیعت یزید کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ ابوالعلاء معری چار صدیوں بعد اس وقت کے حسینی موقف کی تصویر کشی کرتا ہوا کہتا ہے۔

منع الفتی ھینا فجر عظانما
وحمی غبیر الماء فانبعث الدم

وہ جوانمردان انتہائی حقیر چیز سے محروم کیا گیا۔ جس کے نتیجے میں عظیم و مہتم بالشان کارنامے اس سے ظاہر ہوئے اس پر بندش آب کی انگلی تو خون بہ نکلا۔

ابتداءً گھاٹ کا راستہ ایک ہی مرتبہ نہیں بند کر دیا گیا تھا۔ اس لیے کہ عمر سعد نے گھاٹ کے پہرے پر جن لوگوں کو متعین کیا تھا۔ انھیں یقینی طور پر معلوم ہی نہ تھا کہ حسین و اصحاب حسین کا ہمیں کس طرح سامنا کرنا ہے۔ جب حسین کے بعض اصحاب مشکیں لے کر پانی بھرنے گھاٹ پر پہونچے تو اگرچہ تھوڑی دیر کے لیے عمر سعد کی فوجوں نے ان کا راستہ روکا معمولی سی جھڑپ بھی ہوئی لیکن چونکہ انھیں واضح ہدایت نہیں ملی تھی کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔ انھوں نے خوف و حیرت کے سبب راستہ دے دیا اصحاب حسینی نہر سے سیراب ہوئے اور مشکیزوں کو پانی سے بھر لائے جو تھوڑی دیر کے لیے ان کی پیاس بجھا دینے کے لیے کافی تھا۔

بظاہر تمام خرابیاں اس دن سے پیدا ہوئیں جس دن کہ شمر بن ذی الجوشن کربلا میں وارد ہوا۔ سرزمین کربلا پر پہونچنے کے بعد اسے سب سے بڑی فکر یہ پتہ چلانے کی تھی کہ حسین کا محاصرہ اور ان پر تنگی کرنے میں کس کی طرف سے کوتاہی ہو رہی ہے تاکہ اسے عہدے سے برطرف اور سخت سے سخت سزا دے

اسی ترکیب سے وہ عمر ابن سعد کو فوج کی سپہ سالاری سے معزول کرکے خود سپہ سالار لشکر ہو سکتا تھا اور عمر سعد کی جگہ رے کی حکومت اس کے ہاتھوں لگ سکتی تھی اس نے آتے ہی تردد کی کیفیت ختم کردی اور حسین و اصحاب حسین کے لیے ایک مرتبہ پانی حاصل کر لینے کے بعد دوبارہ پانی تک پہونچنا دشوار ہو گیا۔ کئی روز اس عالم میں گزرے کہ حسین کے لشکر میں مرد عورت بوڑھے بچے یا کوئی جاندار ایسا نہ تھا کہ جو پیاس سے جاں بہ لب اور ایک قطرۂ آب کے لیے ترستا نہ ہو۔ انھیں پیاسوں میں حسین کا بیمار فرزند بھی تھا نہایت ضعیف و سن رسیدہ بوڑھے بھی تھے۔ بے زبان جانور بھی تھے۔ پیاس سے جاں بلب ان بچوں کی فریادیں ہر لمحہ حسین کے کانوں میں پہونچتیں اور ان کا کوئی بس نہ چلتا سوا اس کے کہ صبر کی تلقین کریں۔

اس اندوہ ناک اور جگر خراش وقت میں ابن زیاد کے لشکر والوں کی وہ پست فطرتی و خباثت ظاہر ہوئی جس نے بتا دیا کہ انسان کمینگی کی کس حد تک جا سکتا ہے۔ انھوں نے ایسی شقاوت و بربریت کی حرکتیں کیں جو وحشی درندے بھی انجام دینے سے قاصر تھے ایسے ایسے مظالم کیے اور ایسی ایسی سخت باتیں زبان سے کہیں کہ شرم و خجالت سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور پیشانی عرق آلود ہو جاتی ہے۔

شرمناک ترین شقاوت و بے رحمی

منجملہ ان شرمناک مظالم کے ایک ظلم یہ تھا کہ حسین پیاس سے جاں بلب تھے مگر انھیں اپنی پیاس کی کوئی پروا نہ تھی البتہ اپنے شیر خوار فرزند کو پیاس سے نیم جان دیکھ کر آپ سے برداشت نہ ہو سکا۔ آپ انھیں ہاتھوں پر اٹھائے سوال آب کے لیے لشکر کے سامنے آئے اور فرمایا۔

اگر ہمارے متعلق تم خدا سے نہیں ڈرتے تو اس بچہ کے متعلق تو ڈرو۔"

اس پر کوفہ کے ایک تیر انداز نے تیر چلہ کمان میں جوڑا اور بچہ کو تاک کر مارا ساتھ ہی یہ فقرہ بھی کہا جسے دونوں لشکر والوں نے سنا خذ اسقہ ہذا لیجئے اس بچہ کو آب تیر سے سیراب کیجیے وہ تیر بچے کے جسم میں ترازو ہو گیا۔

شام والے حسین سے پکار پکار کر کہتے کہ الا ترى الى الفرات کانہ بطون الحيات ۔ واللہ لاتذوقه حتى تموت ومن معك عطشا۔ آب فرات کو نہیں دیکھتے کہ کیسا شکم مار کی طرح چمک رہا ہے۔ خدا کی قسم آپ اس کا ایک قطرہ بھی چکھنے نہ پائیں گے یہاں تک کہ آپ اور آپ کے ہمراہی پیاس سے مر جائیں۔

جب حسین پر تشنگی کا غلبہ ہوا تو فرات کے قریب آئے تا کہ

اپنی تشنگی بجھائیں۔ حصین بن نمیر نے ایک تیر مارا جو آپ کے لب ہائے مبارک پر لگا حسین نے تیر کو کھینچ کر پھینکا اور دونوں ہاتھ لگا دیئے دونوں ہتھیلیاں جب خون سے بھر گئیں تو آپ نے آسمان کی طرف اس خون کو پھینکا۔ نگاہیں آسمان کی طرف لگی ہوئی تھیں اور یہ لفظیں آپ کی زبان پر جاری تھیں۔ ان تکن حبست عنا النصر من السماء فاجعل ذالک لما هو خیر منه وانتقم لنا من القوم الظالمین۔ بارالہا اگر آسمانی مدد ہم سے روک رکھی ہے تو اسے قیامت کے لیے محفوظ رکھ اور ظالموں کی جماعت سے ہمارا انتقام لے۔

لڑائی چھڑنے سے پہلے ہی فوج شام کی طرف سے پانی کی روک تھام اور ہزاروں کی فوج گھاٹ پر متعین کر دینا کہ حسین اور اطفال حسین تک پانی کا ایک قطرہ بھی نہ پہونچنے پائے جنگ کی طرف صریحی پیش قدمی تھی پانی بند کر کے شام والوں نے ایک طرح سے لڑائی شروع کر دی تھی۔ حسین کے لیے بالکل جائز تھا کہ جو بھی آپ سے متعرض ہوتا اسے ختم کر دیتے مگر آپ کے کردار کی بلندی یہ تھی کہ شمر بن ذی الجوشن جو سب سے بڑا آپ کا دشمن تھا آپ کے خیموں کی طرف آ کر چکر لگانے لگا یہ معلوم کرنے کے لیے کہ کہاں سے حملہ کرنا بہتر ہوگا امام حسین کے صحابی مسلم بن عوسجہ نے جو تیر اندازی میں یگانۂ روزگار تھے

اسے نشانہ کی زد پر پاکر چاہا کہ ہلاک کر ڈالیں مگر امام حسین نے انھیں اجازت نہ دی کیونکہ جنگ کی ابتدا آپ کو منظور نہ تھی۔ گویا امام کا مطلب یہ تھا کہ ہمارے ہمراہیوں کا جذبات سے مغلوب ہونا مناسب نہیں بلکہ خلوص قلب سے ہماری پیروی لازمی ہے یہ کہنے کو نہ ہو کہ وہ رغبت یا خوف دہراس کی بناء پر ہمارا ساتھ دے رہے ہیں۔ حق کی خاطر اور ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے ہمارے ہمرکاب نہیں آپ نے چاہا کہ ان کے قلب وضمیر کو ہشیار کر دیں۔ اگر وہ ناواقف ہوں تو ان کی ناواقفیت دور ہو جائے۔

امام حسین نے لڑائی شروع کرنے سے پہلے کوشش کی کہ آخری مرتبہ حجت تمام کر دی جائے آپ نانا کی عبا زیب جسم کر کے آپ کی تلوار لگا کر آپ کا عمامہ سر پر اور ردا جسم پر ڈالے ہوئے افواج یزیدی کے سامنے آئے اور اس طرح کھڑے ہوئے جیسے آپ ان کے سامنے تقریر کرنا چاہتے ہوں پہلی حرکت جو اس فوج یزیدی سے اس موقع پر سرزد ہوئی اس نے ثابت کر دیا کہ آپ نے ان لوگوں کے متعلق جو اندازہ قائم کیا تھا وہ کس حد تک صحیح تھا سرداران لشکر آپ کو دیکھتے ہی ڈر گئے انھیں یہ گوارا نہ ہوا کہ فوج کے سپاہی آپ کی بات سنیں اور آپ کی باتیں ان کے دل میں گھر کر جائیں وہ چیخنے چلانے لگے حد سے زیادہ شور وغل کیا تاکہ آپ کی لفظیں سپاہیوں کے کان میں نہ

پہونچنے پائیں اور آپ کا وعظ و نصیحت ان کی آنکھیں نہ کھول دیں جب کہ آپ کو اس مہلت ہی میں دیکھ کر نگاہیں جھکی جا رہی تھیں اور پشیمانیاں ختم ہو رہی تھیں۔

لیکن حسین صبر و سکون کے ساتھ کھڑے رہے یہاں تک کہ وہ سرداران لشکر اور ان کے حوالی موالی شور و غل مچاتے مچاتے آخر تھک گئے چند لمحوں کے بعد سناٹا ہو گیا اور فوج یزیدی نے حمد و صلوٰۃ کے بعد آپ کو یہ ارشاد فرماتے سنا۔

میرے نسب پر غور کرو تاکہ تمہیں معلوم ہو میں کون ہوں کیا میرا قتل تمہارے لیے جائز اور میری ہتک حرمت تمہارے لیے مباح ہے؟ کیا میں تمہارے نبی کی بیٹی کا فرزند نہیں۔ کیا رسول اللہ کا یہ ارشاد تمہارے کانوں تک نہیں پہونچا جو آنحضرت نے میرے اور میرے بھائی حسنؑ کے متعلق فرمایا۔ ھذا ان سید الشباب اھل الجنہ۔ یہ دونوں جنت کے جوانوں کے سردار ہیں وائے ہو تم پر کیا میں نے تمہارے کسی عزیز کو قتل کر دیا ہے جس کا قصاص تم لوگ مجھ سے لینا چاہتے ہو۔ یا تمہارا کوئی مال میں نے ہتھیا لیا ہے۔

پھر آپ نے ان لوگوں کے نام لے لے کر پکارے جنھوں نے آپ کو کوفہ آنے کی دعوت دی تھی اور دعوت دینے کے بعد ابن زیاد کے لشکر میں شامل ہو کر آپ سے لڑنے کے لیے

کربلا آئے تھے۔ آپ نے فرمایا... اے شیث بن ربعی اے حجار بن ابجر اے قیس بن اشعث، اے یزید بن حارث اے عمر بن حجاج کیا تم نے ہمیں نہیں لکھا تھا کہ پھل پکنے کو ہیں در و دیوار پر سبزہ اگ رہا ہے جلد آیئے آپ کیل کانٹے سے لیس فوج اپنے پرچم کے نیچے پائیں گے۔"

ان کلمات سے افواج یزیدی کے قدم ڈگمگا گئے' جن لوگوں کے دل پوری طرح سیاہ نہ ہو پائے تھے ان کے دلوں پر ان کلمات نے پورا اثر کیا اور ابن زیاد کا لشکر چھوڑ کر وہ حسین کے لشکر میں آملے یہ جانتے سمجھتے ہوئے کہ ہم اس طرف جا رہے ہیں۔ جہاں سوا فوری موت کے کچھ اور حاصل نہ ہوگا انھوں نے اس فوری موت کو دل سے پسند کیا اور انعام و اکرام عہدہ و منصب مال و دولت کی لالچ میں ابن زیاد کے لشکر میں رہنا گوارا نہ کیا۔

حسین کے صرف انھیں کلمات ہی نے تیر و نشتر کا کام نہیں کیا بلکہ نامی بہادر زہیر بن قین نے بھی کوفہ والوں کو مخاطب کر کے ایسے فقرے کہے جس نے نیزہ و شمشیر سے بڑھ کر اثر کیا یہ گھوڑے پر سوار ہو کر افواج یزیدی کے سامنے آئے انھیں مخاطب کر کے کہا۔

"اے کوفہ والو! خدا کے عذاب سے ڈرو مسلمان کا فریضہ

ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرے اور اسے مہلکہ میں گرنے سے باز رکھے ہم لوگ اس وقت بھائی بھائی اور ایک ہی دین پر ہیں۔ جب تک ہمارے تمہارے درمیان تلوار نہ آپڑے۔ تلوار بیچ میں آجانے کے بعد ہمارے آپس کے سارے رشتے ٹوٹ جائیں گے اور ہم ایک امت ہوں گے اور تم دوسری امت خداوند عالم نے اپنے پیغمبر محمد مصطفےٰ کی ذریت کے سلسلے میں ہماری اور تمہاری آزمائش کی ہے یہ دیکھنے کے لیے کہ ہمارا ان کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے اور تمہارا کیا ہم تمہیں حسین ع کی مدد کی طرف بلاتے ہیں اور طاغیہ بن طاغیہ عبید اللہ بن زیاد کا ساتھ چھوڑنے کی درخواست کرتے ہیں تمہیں ابن زیاد و یزید سے سوا برائی کے کچھ اور نہ حاصل ہوگا۔ یہ دونوں تمہاری آنکھوں میں سلائیاں پھروا دیں گے۔ تمہارے ہاتھ پیر کاٹ ڈالیں گے تمہارے اعضائے بدن کا مثلہ کریں گے تمہیں درختوں کے تنوں پر سولی دے دیں گے تمہارے اکابر اور ممتاز افراد تمہارے قاریان قرآن کو نہ تیغ کریں گے۔ جیسا کہ حجر بن عدی اور ان کے اصحاب ہانی بن عروہ اور انھیں جیسے برگزیدہ مومنین کے ساتھ کر چکے ہیں۔"

زہیر کی اس تقریر کو سن کر کچھ لوگ تو تھرا اٹھے لیکن وہ لوگ جن میں شرم و حیا کا کچھ بھی حصہ باقی نہ رہا تھا وہ ہٹ دھرمی

پر تلے رہے انھوں نے زہیر کو دھمکیاں اور زہیر کے ساتھ حسین کو بھی کہ ہم انھیں قتل کر ڈالیں گے یا گرفتار کر کے ذلت و خواری کے ساتھ عبید اللہ بن زیاد کے پاس پہونچا دیں گے۔

لشکر یزید میں آثار ضعف

ہنگام جنگ دونوں لشکروں کی جو تعداد تھی اس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یزیدی لشکر چھوڑ کر بہت سے لوگ ایک ساتھ حسینؑ کے لشکر میں آ گئے یا یکے بعد دیگرے آئے البتہ یزیدی لشکر کو چھوڑ کر حسینؑ کے لشکر میں آ جانے کی ابتدا بڑی وحشت انگیز تھی اس لیے کہ سب سے پہلے جو شخص حسینؑ کے لشکر میں آ یا وہ کوئی معمولی شخص نہیں بلکہ ابن زیاد کا بہت بڑا فوجی افسر حر بن یزید ریاحی تھا جسے شروع شروع ابن زیاد نے اس غرض سے بھیجا تھا کہ حسین کو کوفہ میں نہ آنے دے۔ حر سمجھتے تھے کہ ہمارا کام بس صرف اتنا ہی ہو گا کہ ہم حسین کو اپنی نظر میں رکھیں گے جنگ اور کشت و خون کی نوبت نہ آئے گی جب حر نے دیکھا کہ یہ لشکر تو حسین سے جنگ پر تلا ہوا ہے تو وہ حسینی لشکر سے قریب ہوتے گئے ان کے جسم پر لرزہ طاری تھا اور شدید رنج و غم سے حالت غیر تھی ان کے رفیق و دمساز مہاجر بن اوس نے حر کی یہ کیفیت دیکھ کر کہا۔

خدا کی قسم تمہارا معاملہ تو بڑا ہی حیرت انگیز ہے اس وقت جو کیفیت میں تمہاری دیکھ رہا ہوں ایسی کیفیت تو کبھی نہ دیکھی تھی اگر مجھ سے پوچھا جاتا کہ کوفہ میں سب سے زیادہ بہادر کون ہے تو میں تمہارے علاوہ کسی اور کا نام نہ لیتا۔"

حرؑ نے جواب دیا۔

میرے سامنے اس وقت ایک طرف جنت ہے دوسری طرف جہنم اور ان دونوں میں سے مجھے ایک اختیار کرنا ہے۔ خدا کی قسم میں جنت کے مقابلہ میں کوئی چیز اختیار نہ کروں گا چاہے میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں اور مجھے جلا دیا جائے۔"

پھر انھوں نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور امام حسینؑ کی خدمت میں پہونچ گئے انتہائی شرمندگی و ندامت سے عرض کیا۔

مولا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ نوبت آجائے گی تو میں کبھی آپ سے مزاحم نہ ہوتا میں تائب ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اپنی جان آپ کے قدموں پر نثار کروں گا۔"

ابن زیادہ کے لشکر میں حر بن یزید ریاحی جیسے سیکڑوں ہی آدمی ہوں گے جن کے وہی عقائد تھے جو حر کے تھے جن کی تمنا تھی کہ کاش ہم بھی حر کے ساتھ حسینی لشکر میں پہونچ جاتے انھیں یہ بات بہت ہی شاق تھی کہ حر ان کی آنکھوں کے سامنے لشکر حسین میں چلے جائیں اس لیے کہ حر کے اس اقدام نے انھیں

جھنجھوڑ کر رکھ دیا، اور انھوں نے اپنے نفس کو جو مغالطے دے رکھے تھے ان مغالطوں کی قلعی کھل گئی اور صاف صاف ان سے کہہ دیا کہ تم بھی ہماری طرح غور و فکر سے کام لو تاکہ جس حقیقت کو ہم نے سمجھ لیا ہے تمہاری سمجھ میں بھی آجائے۔

حر کے لشکر ابن زیاد کو چھوڑ کر لشکر حسینی میں چلے آنے کی وجہ سے اس لشکر میں کوئی کمی نہیں واقع ہوئی نہ ان کا چلا آنا اس لشکر کی شکست و ہزیمت کا خطرہ ہی ثابت ہوا ہاں ان کے چلے آنے کی وجہ سے اس لشکر والوں کو روحانی شکست ضرور ہوئی اس لیے کہ سارے ہی لشکر والے ٹھیک ویسے ہی احساسات رکھتے تھے جیسے احساسات حر کے تھے جس طرح وہ حسین کو یزید سے افضل و بہتر سمجھتے تھے اسی طرح بقیہ لشکر والے بھی سمجھتے تھے یہ بات بھی عقل میں آنے والی نہیں کہ ان لوگوں نے یزید کی اطاعت اس وجہ سے کی تھی کہ یزید کی خلافت پر بیعت منعقد ہو چکی تھی یا یہ کہ یہ لوگ دولت و حکومت کے آداب سے اس طرح آراستہ و پیراستہ تھے کہ انھیں شریعت اور اہل بیت نبوی کا پاس و لحاظ ہی باقی نہ رہ گیا تھا آداب شاہی میں وہ یوں رچ بسے تھے کہ اس کی خاطر پیغمبر کے نواسہ کو قتل کر ڈالنا ان کے لیے معمولی بات تھی ان لوگوں کے متعلق کیونکر ایسا تصور کیا جا سکتا ہے جب کہ انھیں لوگوں میں ایسے افراد بھی تھے جنھوں نے دوبارہ کر حسین کی بیعت کر لی تھی اور انھیں دعوت دی

تھی کہ ہماری قیادت کے لیے تشریف لائے یزید سے لڑنے کے لیے آپ کو یہاں کیل کانٹے سے لیس لشکر تیار ملے گا۔ لہٰذا اگر وہ یزید کی بیعت ہو جانے کا ذکر زبان پر لائے بھی ہوں گے تو محض بہانہ کے طور پر خود دل ان کا اس پر ہرگز راضی نہ ہو گا۔ ایسے لوگوں کے سینہ پر سب سے بڑا بوجھ ان کی اپنی خود فریبی اور وہ مغالطہ تھا۔ جس میں اپنے نفس کو ان لوگوں نے ڈال رکھا تھا بار بار ان لوگوں کے دل میں تحریک ہوتی تھی کہ لشکر ابن زیاد کو چھوڑ کر حسینؑ کی طرف چلے چلو جس طرح حرؑ چلے گئے مگر ان کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ اور نہ وہ اس پر قادر ہوتے تھے۔

اس میں شک نہیں کہ ان دونوں لشکروں میں جو سب سے بڑا اور طاقتور لشکر تھا۔ ذہنی حیثیت سے وہی زیادہ بدحواس اور حیران و سرگشتہ تھا اور اسی کو بہت زیادہ بے چینی تھی کہ اس کشاکش سے کہیں جلدی نجات ملے۔

سپاہ حسینی کی بے مثال شجاعت

میدان کربلا میں دو لشکر تھے ایک مختصر سا لشکر جس کو پیاس نے نڈھال کر رکھا تھا اور راہ چارہ و تدبیر ہر طرف سے مسدود تھی مگر اس کا دل پوری طرح مطمئن اور اپنے حق پر ہونے کا یقین کامل تھا اور حق کی راہ میں موت کو خوش آمدید کہنے کے لیے تیار۔ جتنی جتنی پیاس بڑھتی جاتی تھی۔ سختیوں میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ اتنا ہی اطمینان بڑھتا جاتا کہ ہماری بازگشت حق کی طرف ہے۔

دوسرا لشکر جو بہت طاقتور لشکر تھا تعداد بھی جس کی حد سے زیادہ تھی لیکن اس لشکر کے ہر سپاہی کے دل میں ہنگامہ برپا تھا۔ ہر شخص اپنے نفس کے ساتھ خیانت کر رہا تھا۔ اور انتہائی حیرت و بدحواسی ان پر طاری تھی وہ طے نہیں کر پا رہے تھے کہ آگے بڑھیں یا پیچھے بیٹھ رہیں یہ حیرت سرگشتگی برابر بڑھتی ہی جا رہی تھی ان کی گھبراہٹ ان کے اندرونی ہیجان کی غمازی کر رہی تھی وہ اپنے دل کو لاکھوں بہلا دے دیتے مگر ضمیر کے کچوکے پیچھا نہ چھوڑتے تھے۔ ہر شخص بے چین تھا کہ جلد ہی کہیں اس قضیہ سے چھٹکارا ہو مریں چاہے ماریں مگر گلو خلاصی جلدی نصیب ہو۔

عمر ابن سعد جس کے سینہ میں عرصہ سے قلق و اضطراب

نے یوں گھر کر رکھا تھا۔ جیسے کوئی تیر سینہ میں پیوست ہوا اس نے اس تیر کو سینہ سے نکال پھینکا وہ حسینی لشکر کے قریب پہونچا اور ایک تیر اپنے چلہ کمان میں جوڑ کر لشکر حسینی کی طرف مارا اور چلا کے کہا۔

گواہ رہنا کہ حسینؑ کی طرف پہلا تیر میں نے چلایا ہے"

اس کے تیر کا چلنا تھا کہ تیروں کا مینھ برسنے لگا جس کے بعد صلح وسلامتی کی رہی سہی امید بھی جاتی رہی اور اب تک کوفہ والوں کے دل میں جتنی نادیلیں تھیں وہ سب خاک میں مل گئیں امام حسینؑ اٹھ کھڑے ہوئے، آپ نے ایک نظر ان تیروں پر ڈالی اور ایک نظر اپنے اصحاب پر اور فرمایا۔

بہادرو، اٹھو، دشمن کی طرف سے جنگ کے پیامبر آپہونچے۔

اس کے ساتھ ہی لڑائی شروع ہو گئی۔

حسینؑ پہلے ہی سے جانتے تھے۔ کہ لڑائی ہو کر رہے گی۔ انھوں نے اس کے لیے تیاریاں بھی کر لی تھیں۔ مگر یہ جانتے ہوئے بھی آپ نے امکانی حد تک تاخیر سے کام لیا تاکہ لڑائی کی پہل ان کی طرف سے ہو اور ہم تلوار اٹھائیں تو اپنے دفاع میں اٹھائیں کیونکہ دشمن کے حملوں کا دفاع بہر حال واجب ہے۔

آپ نے اپنے عقب میں گہری خندق کھدوا کر اس میں آگ

روشن کرادی تھی تاکہ پیچھے سے دشمن حملہ نہ کرسکیں دشمن کی فوجیں بہت بڑی تعداد میں تھیں ایک اور ۶۰ کا مقابلہ تھا۔ وہ ہر سمت سے آپ پر حملہ کرسکتے تھے۔

آپ کے ساتھ صرف ۳۲ سوار اور ۴۰ پیادہ تھے اور لشکر ابن زیاد کی تعداد چار ہزار سے کچھ اوپر تھی زیادہ تر سپاہی گھوڑوں پر یا اونٹوں پر سوار متعدد قسم کے اسلحوں سے آراستہ تھے مگر باوجود دونوں لشکروں میں اس آسمان و زمین کے فرق کے حسینؑ کا لشکر اس بہت بڑے لشکر کے بالکل ٹکر کا تھا بشرطیکہ لڑائی اس زمانہ کے قاعدہ قانون کے مطابق ہوتی کیونکہ علی کا خاندان جسمانی طاقت دشمن کا وار پامردی سے سہنے اور بغیر دم لیے مسلسل جنگ کئے جانے میں مشہور ترین عرب تھا۔ بلکہ واقعہ یہ ہے عرب و عجم میں اپنی آپ نظیر تھا ان میں بعض تو ایسے طاقتور تھے کہ لوہے کو موڑ دیتے تھے جسے کوئی بھی سیدھا نہیں کر پاتا انھیں فرزندان علی سے محمد ابن حنفیہ تھے جنھوں نے عرب و عجم کے غیر معمولی طاقت جسمانی رکھنے والے پہلوانوں کو پچھاڑ دیا تھا انھیں پہلوانوں میں سے روم کا ایک پہلوان تھا۔ جس پر سارے روم والے ناز کیا کرتے تھے۔ شہنشاہ روم نے اس پہلوان کو معاویہ کے پاس بھیجا کہ کسی مسلمان پہلوان سے اس کی زور آزمائی کرائے محمد بن حنفیہ اور اس پہلوان میں مقابلہ ہوا محمد بن حنفیہ نے خود

بیٹھے رہے۔ اور اس رومی پہلوان سے کہا تم میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے کھڑا کردو اس پہلوان نے ـــــــ انھیں کھڑا کرنے کی جو کوشش کی تو اسے اندازہ ہوا میں پہاڑ کو جنبش دینے کی کوشش کر رہا ہوں۔ جب اس نے اپنی عاجزی کا اقرار کر لیا تو محمد ابن حنفیہ نے اسے کئی مرتبہ سر سے اونچا اٹھا کر زمین پر پٹکا۔

امام حسینؑ اور آپ کے ساتھ جو بہادر فرزندان علی تھے انھوں نے جس طرح باپ سے میراث میں ثبات قلب اور غیرت و حمیت پائی تھی اسی طرح بدنی طاقت بھی پائی تھی۔ اگر انھیں باری باری ایک ایک دشمن سے لڑنے کا موقع ملتا تو ابن زیاد کی فوج کے جتنے شہسوار تھے سب کے سب صاف ہو جاتے صرف مٹھی بھر بزدلے رہ جاتے جو بہادروں کی جنگ میں اسی طرح بھاگتے پھرتے ہیں جس طرح دہشت زدہ چوپائے بیابان میں حسینؑ کے ساتھ منتخب شہسواران عرب بھی تھے۔ جن کی شجاعت رعب و داب تیر اندازی اور شمشیر زنی کا سارے عرب میں شہرہ تھا۔ ان کی شجاعت و بہادری کے اور شواہد سے قطع نظر ان کا اس ہولناک و پر خطر سفر میں حسینؑ کے ہمرکاب ہونا ہی سب سے بڑا ثبوت ان کی شجاعت و بہادری کا ہے۔ وہ محیر العقول دلیری کے ساتھ موت کی طرف دوڑ پڑے اور انتہائی جوانمردی

اور پاک نہادی کے ساتھ نت نئے فتنہ و آزمائش سے آنکھیں چار کیں لہذا اگر ان کو اس وقت کے دستور کے مطابق لڑائی لڑنے کا موقع ملتا اور ابن زیاد کے لشکر کے سپاہی ایک ایک کرکے مقابل ہوتے تو برابر کی ٹکر رہتی اور اگر وہ غالب آجانے کی امید کرتے تو یہ امید غلط بھی نہ ہوتی لڑائی کی ابتدا یوں ہوئی کہ ـــ لشکر ابن زیاد کے گھوڑ سواروں نے حملہ کیا۔ اصحاب حسینی نے اپنے نیزے سیدھے کرلیے اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر ان کے منتظر رہے۔ سواروں کے گھوڑے نیزوں سے ٹکرائو برداشت نہ کر سکے۔ اور قریب تھا کہ اپنے سواروں کو لے کر بھاگ کھڑے ہوں مجبوراً ابن زیاد کے لشکر کو یہ طریقہ چھوڑنا پڑا اور اب ایک ایک کرکے لڑائی ہونے لگی ابن زیاد کے لشکر سے ایک سپاہی نکلتا اور ادھر لشکر حسینؑ سے اس کا کوئی مقابلہ کرتا۔ ابن زیاد کے لشکر سے جتنے مبارز طلب ہوئے وہ سب یا تو رفقائے حسینی کے ہاتھوں قتل ہوئے یا جان بچاکر بھاگ نکلے۔ سرداران لشکر کو یقین ہوگیا کہ اس ایک ایک کی لڑائی کا انجام ہمارے حق میں بہتر نہ ہوگا کامیابی کی ذرہ برابر بھی امید نہیں کی جاسکتی۔ عمر ابن حجاج نے اپنے ساتھیوں کو پکار کر کہا۔

جانتے بھی ہو کس سے لڑ رہے ہو اور یہ عرب کے سورما

ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو جان دینے پر تلے ہوئے ہیں خبردار کوئی ان سے لڑنے کو نہ جائے ورنہ وہ ضرور جان سے ہاتھ دھوئے گا۔ ادھر تمہاری اتنی بے پناہ تعداد ہے۔ تم انھیں صرف پتھر ہی مار کر ہلاک کر سکتے ہو۔ عمر بن سعد کو عمرو بن حجاج کی یہ بات پسند آئی اس نے سپاہیوں کو منع کر دیا کہ فرداً فرداً مقابلہ نہ کیا جائے۔ جب اس کے بعد لشکر حسینی سے عابس بن ابی شبیب شاکری جنگ کو میدان میں آئے اور دعوت مبارزت دی تو ان کی بہادری و شجاعت کے کارنامے مشہور عالم تھے کوئی ان سے لڑنے کو نہ نکلا سب دور جا کھڑے ہوئے اس پر عمر نے کہا انھیں پتھر مارو ہر طرف سے پتھروں کی بارش ہونے لگی۔ عابس نے فوراً اپنی زرہ اور خود اتار پھینکا اور سامنے کے سپاہیوں پر ٹوٹ پڑے اور انھیں مار بھگایا۔ ان کے امنڈتے ہوئے طوفان کے مقابل ڈٹے رہے۔ یہاں تک کہ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے اتنا بڑا زبردست لشکر حسینؑ کے مختصر سے لشکر کے مقابلہ سے عاجز تھا ہر حملہ میں کوئی نہ کوئی ان کا نمودار موت کے گھاٹ اترتا اور ان کی تعداد گھٹتی جاتی تھی۔ عروہ بن قیس نے جو گھوڑ سوار دستہ کا افسر اعلیٰ تھا عمر ابن سعد کو کہلا بھیجا۔

اس مختصر سے لشکر سے میرے سواروں پر آج جو تباہی آرہی ہے اسے دیکھتے نہیں ان کے مقابلے کے لیے پیادہ

فوج اور تیر اندازوں کو بھیجا۔ ابن سعد نے ۵ سو تیر انداز روانہ کئے جن کا افسر حصین بن نمیر تھا ان تیر اندازوں نے اصحاب حسینی پر تیر بارانی شروع کر دی۔ یہاں تک کہ گھوڑے پے ہو گئے اور حسینؑ کے بہت سے سوار و پیادہ کام آئے۔ حر کی طرح ابوالشعثا یزید بن زیاد کندی بھی ابن زیاد کے لشکر کو چھوڑ کر لشکر حسینی میں آملے تھے اور یہ اپنے زمانہ کے مشہور ترین تیر اندازوں میں سے تھے۔ جب اصحاب حسینی پر بہت شدت سے تیر برسنے لگے۔ تو انھوں نے حسینؑ کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر سو تیر چلائے ہر تیر سے ایک کو ہلاک کیا مشکل سے پانچ تیر ان کے بیکار گئے ہوں گے اسی حیرت انگیز قدر اندازی سے وہ جنگ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ شہید ہوئے۔ جو لوگ ابن زیاد کے لشکر کو چھوڑ کر حسینؑ سے آملے تھے وہ جوش جہاد اور موت پر لوٹے پڑنے میں سب سے پیش پیش اور سب سے سخت تھے انھیں میں سے حر بن یزید ریاحی تھے جن کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔ انھوں نے پہلے تو پوری کوشش کی کہ اپنے پہلے ساتھیوں کو لشکر حسینی میں بلالیں یا ان کو حسینؑ سے جنگ کرنے سے باز رکھیں۔ انھوں نے اپنے گھوڑے پر کھڑے ہو کر اہل کوفہ کو مخاطب کر کے تقریر کی جس میں انھیں بہت کچھ وعظ و نصیحت کی کوفہ والے کچھ دیر تو خاموش سنتے رہے پھر ان پر تیروں کی بارش کر دی

ان کے گھوڑے کو بیکار کر دیا حر بہت زخمی ہوئے مگر وہ مرنے مارنے پر تلے رہے جہاں دشمنوں کی بھیڑ زیادہ نظر آتی اور جدھر سے زیادہ تیر آتے تاک تاک کر اسی طرف حملہ آور ہوتے یہاں تک کہ زخموں سے چور چور ہو کر گھوڑے سے گرے، امام مظلوم کو یہ آواز دیتے ہوئے السلام علیک یا ابا عبد اللہ۔

اصحاب حسینی کا ایک ایک شخص جان دینے پر تلا ہوا تھا اور جہاں موت کا زیادہ خطرہ ہوتا۔ اسی طرف خاص کر کے جاتے۔ نافع بن ہلال بجلی یہ اپنے تیروں کے سرے پر اپنا نام لکھ دیا کرتے اور شاید ہی کوئی تیر ان کے ترکش سے ایسا چھوٹا ہو جس نے کسی کو ہلاک یا زخمی نہ کیا ہو دشمنوں نے انھیں نرغہ میں لے لیا اور ان کے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالے پھر انھیں قید کر لیا اس عالم میں کہ چہرے اور ہاتھوں سے مثل سیل خون جاری تھا۔ دشمنوں نے خیال کیا کہ نافع دھمکیوں سے مرعوب ہو جائیں گے۔ اور ہاتھ پیر کاٹے جانے سے گھبرا اٹھیں گے مگر نافع نے انھیں زبان سے ایسے ایسے چرکے لگائے کہ وہ تڑپ تڑپ اٹھے وہ برابر انھیں غصہ دلاتے رہے اور کہتے جاتے ہیں نے تمہارے بارہ آدمی جان سے مارتے ہیں جنھیں زخمی کیا ہے وہ ان کے علاوہ ہیں اگر دست و بازو میرے سلامت رہتے تو میں یہ تعداد کہیں سے کہیں پہونچا دیتا۔

امام حسینؑ کی شہادت

دشمن کے تیروں اور تلواروں کا خصوصی نشانہ امام حسینؑ تھے مگر انصار حسینی کے جوش نصرت کا یہ عالم تھا کہ ہر ایک نے اپنے کو آپ کے لیے سپر بنا رکھا تھا۔ آپ کی طرف کوئی تیر آتا یا تلوار کا وار ہوتا یہ بہادر اپنے سینوں پر روکتے ہر مجاہد نے آپ کے آگے ہو کر دشمنوں سے جنگ کی اور جب ایک زخموں سے چور ہو کر گرا تو اس کی جگہ دوسرا مجاہد سینہ سپر ہو کر داد شجاعت دینے لگا۔

دشمنوں کی بے پناہ جمعیت اس چھوٹے سے لشکر کے مقابلہ سے تنگ آگئی ان کے محیر العقول ثبات قدم اور ہوش ربا حرب و ضرب سے اتنے نقصانات پہونچے۔ کہ انھوں نے عاجز آکر ان خیموں کی طنابیں کاٹ دیں جن میں امام کے اہل حرم اور خرد سال بچے تھے۔ غرض یہ تھی کہ ہر سمت سے امام کو نرغہ میں لے لیا جائے۔ پھر انھوں نے ان خیموں میں آگ لگا دی اصحاب امام انھیں خیموں سے دور رکھنے اور آگ بجھانے میں مصروف تھے۔

امام نے محسوس کیا کہ اگر ہمارے اصحاب اسی طرح دشمن کی مزاحمت اور آگ بجھانے میں مصروف رہے تو پھر جنگ

کرنے کا موقع نہ ملے گا۔ آپ نے فرمایا۔ انھیں خیمے جلا دینے دو کیونکہ یہ جب خیموں میں آگ لگا دیں گے۔ تو پھر اس طرف سے ان کے حملہ آور ہونے کا خطرہ بھی نہ رہے گا۔

امام حسینؑ اس ہوش ربا وقت اور ہجوم مصائب کے عالم میں بھی جب کہ قوت برداشت جواب دے جاتی ہے اور دماغ مختل ہو جاتا ہے اس طرح مطمئن دل رہے کہ آپ کی عزیمت اور ثبات قدم میں ذرہ برابر تزلزل نہیں ہوا نہ آپ کی شجاعت و جوانمردی میں کوئی خلل واقع ہو سکا واقعہ یہ ہے کہ آپ نے وہ کارنامہ کر دکھایا جو انسانی طاقتوں کے بس کا نہیں۔ ایسے کارنامے صرف اولوالعزم افراد ہی سے ممکن ہیں جو آدم و حوّا کی نسل میں گنتی ہی کے ہوئے اللہ رے قوت قلب و ثبات قدم کہ تین روز کی بھوک پیاس نے جان پر بنا رکھی تھی۔ کئی راتیں جاگتے کٹی تھیں جسم زخموں سے چور چور تھا دشمن سے مسلسل مصروف جہاد تھے لیکن ان سب کے باوجود دشمن کی ہر نقل و حرکت اور مکر و فریب کی چالوں پر آپ کی بڑی کڑی نظر تھی۔ آپ اپنی جماعت کی اس طرح تنظیم اور انھیں ایسے ہدایات دینے میں مصروف تھے جن کے ذریعہ دشمن کی تمام چالیں ناکام ہو جاتیں اور وہ ان کی دسیسہ کاریوں سے محفوظ رہیں۔ پھر آپ اپنے دکھ درد

بھی جھیل رہے تھے اور اپنے رفیقوں کے بھی ایک ایک رفیق چھوٹتا جا رہا تھا۔ ایک کے بعد دوسرے کا داغ اٹھانا پڑتا اور جب کوئی رفیق اٹھتا حزن و اندوہ میں اضافہ ہوتا جاتا جب ان پیاروں میں سے کوئی گرتا خود بہ نفس نفیس اس کی لاش پر پہونچتے۔ اس کی آخری سانسیں آ رہی ہوتیں اسے اٹھاکر دوسرے جاں بلب شہیدوں کے پہلو میں لے جاکر لٹا دیتے مرتے ہوئے رفیق پانی کا سوال کرتے اور حسین کی بےبسی ان کا دل ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی۔ حسین اس انتہائی نازک وقت میں بھی صبر و تحمل کو ہاتھ سے جانے نہ دیتے وہ اپنی قوت قلب کے ذخیرہ سے مدد لیتے اور ان جانکاہ آلام و شدائد کا مقابلہ کرنے کے لیے وہ عزم محکم حاصل کرتے جس کے ذریعہ موت سے ٹکر لے سکیں۔ انھیں زندگی سے کوئی دلچسپی نہ تھی، ہر رفیق کے گرنے پر فرماتے تمہارے بعد اب زندگی کس کام کی اور ہر آنے والی مصیبت کا سامنا کرنے پر تیار ہو جاتے۔

آپ انھیں جانکاہ و روح فرسا آلام و شدائد میں غرق تھے کہ دفعتہً ہر جانب سے آپ پر تیروں اور تلواروں کے وار ہونے لگے آپ کے لشکر میں جتنے تلوار اٹھانے کے قابل تھے وہ سب درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ ان کے بعد نوبت آپ کی اولاد اور گود کے پالے نوجوانوں اور خرد سال بچوں کی آئی مدینہ

سے جتنے آپ کے ساتھ آئے تھے وہ سب یکے بعد دیگرے خاک و خون میں غلطاں ہوئے آپ کے پاس صرف تین افراد بچے رہے جو آپ کے سینہ سپر بنے ہوئے دشمن کے حملوں کو آپ سے روک رہے تھے۔ امام بار بار ان جاں نثاروں کے حلقہ سے آگے بڑھ جاتے ان سے فرماتے کہ تم میرے لیے کیوں اپنی جانیں دو دشمنوں کو صرف میرے سر سے مطلب ہے تم چاہو تو مجھے چھوڑ کر جان بچا سکتے ہو میرا انجام قریب ہے اور موت جلد ہی مجھے ان تمام مصائب سے نجات دیدے گی۔

امام حسینؑ کا خرد سال بھتیجا عبداللہ بن حسنؑ خیمہ کے دروازے پر کھڑا اپنے چچا پر نظریں جمائے تھا۔ دیکھا کہ ایک شخص تلوار سے آپ پر وار کیا چاہتا ہے۔ وہ بچہ دوڑ کر اپنے چچا کے پاس آیا اور اس ظالم سے چیخ کر کہا۔ ارے کیا تو میرے چچا کو قتل کر ڈالے گا۔

وہ ظالم تلوار لے کر اس بچے کو قتل کرنے کے لیے بڑھا بچے نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دیئے تلوار ہاتھ پر پڑی دونوں ہاتھ کٹ کر لٹکنے لگے۔ امام نے بچے کو اپنے گلے سے لگا لیا کلمات تسلی کہتے جاتے اور دشمن کے حملوں کا دفاع کرتے تھے۔

پھر وہ تین افراد بھی جو آخری وقت تک آپ کے سینہ سپر

بنے ہوئے تھے۔ مقتول ہو کر گر پڑے اب آپ یکہ و تنہا تھے اور ہزاروں کا لشکر اور ان کی چلتی ہوئی تلواریں۔ آپ ایک مرتبہ اپنے داہنے طرف کے دشمنوں پر حملہ کرتے ان کے پرے پراگندہ ہو جاتے سواروں پر پیادہ پا حملہ کرتے اور یکہ و تنہا دشمن کی صفوں میں گھس پڑتے اور صفیں الٹ پلٹ کر رکھ دیتے قریب والے مارے ہیبت کے آپ سے دور بھاگتے حملہ آور آپ کا خاتمہ کر دینے کے لیے بڑھتے پھر الٹے پیروں واپس ہو جاتے اس لیے کہ آپ کو قتل کرنے کی کسی کو ہمت نہیں ہوتی تھی ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ میرے ہاتھ آپ کے خون سے آلودہ نہ ہوں کوئی دوسرا ہی اس کام کو انجام دے۔ شمر بن ذی الجوشن آپے سے باہر ہو گیا۔ اس نے تیر اندازوں کو حکم دیا کہ دور سے آپ پر تیروں کی باڑھ ماریں اور قریب کے لوگوں سے چیخ کر کہا۔

تمہارا ناس ہو آخر تمہیں انتظار کس بات کا ہے، جلدی کرو حسینؑ کو قتل کر کے چھٹی پاؤ۔ تمہاری ماں تمہارے ماتم میں بیٹھے۔

شمر کے ڈر، اور ابن زیاد سے شکایت کر دینے کے خوف سے دشمن آپ پر امنڈ پڑے زرعہ بن شریک تمیمی نے آپ کے بائیں ہاتھ پر تلوار ماری اور ہاتھ قطع کر ڈالا۔ دوسرے کسی

نے آپ کے کاندھے پر تلوار کا وار کیا۔ جس کے صدمہ سے آپ منھ کے بل زمین پر آرہے۔ اس کے بعد آپ کی یہ کیفیت ہو گئی کہ بار بار اٹھتے اور گر پڑتے۔ دشمن ہر طرف سے نیزوں اور تلواروں کے وار کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ آپ نے اپنی جان جہاں آفرین کو سپرد کردی آپ کی شہادت کے بعد آپ کے جسم پر ۳۳ زخم تیروں کے ۴۳ زخم تلوار کے پائے گئے نیزوں کے زخم ان کے علاوہ تھے بعض نے آپ کے لباس کے نشانات سے اندازہ لگانے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ ۱۲۰ زخم تیروں کے تھے۔

خولی بن یزید اصبحی آپ کا سر قطع کرنے کے لیے قریب پہونچا تو اس کے ہاتھ اور پورے جسم میں تھرتھری پیدا ہو گئی۔ شمر نے جھڑک کر اسے الگ کر دیا اور کہا۔ خدا تیرے بازوؤں کو بیکار کرے شمر نے آگے بڑھ کر آپ کا سر تن سے جدا کیا خولی کے جسم کی تھرتھری اب تک دور نہ ہوئی تھی شمر نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے سر اس کے ہاتھ میں دینے سے انکار کیا خداوند عالم کی مرضی بھی تھی کہ یہ خبیث اور درندہ جانور اپنے گناہ کا خود اس طرح اقرار و اعتراف کرے جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو اس کا یہ کینہ و عناد ایسا کینہ و عناد تھا جسکی کوئی علت تھی نہ کوئی سبب سوا اس کے کہ وہ ان کمینہ اور پست فطرت

افراد میں سے تھا جنھیں شریف اور نیک فطرۃ انسانوں سے خواہ مخواہ کی عداوت ہوتی ہے ان کی کمینگی و رذالت ہر وقت انھیں احساس کمتری میں مبتلا رکھتی اور ان کے دل کو کچو کے لگاتی رہتی ہے اور وہ شریفوں کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنا کر انھیں دکھ تکلیف پہونچا کر اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہیں اور اپنی شقاوت و بربریت کو اپنا قابل فخر کارنامہ سمجھتے ہیں یہ جانتے ہوئے کہ ہماری حرکت نہ قابل فخر ہے نہ قابل ستائش لیکن اس کو کیا جائے کہ ان کے دل کی بھڑاس اسی طرح نکلتی ہے کہ وہ ہر اس شخص کو اپنی بہیمیت و درندگی کا نشانہ بنائیں جو ان کی کمینگی و رذالت سے باخبر ہو۔

حسین کے شہید ہو جانے کے بعد بھی دنیا کی نگاہوں نے غیرت و جوانمردی کی سربلندیاں اور رذالت و کمینگی کی انتہائی پستی کا مشاہدہ کیا۔ لشکر حسینی کا ایک ایک مجاہد حسینؑ کے قدموں پر اپنی جان نثار کر چکا تھا صرف ایک مجاہد جو زخموں سے چور چور تھا زندگی کی چند سانسیں باقی تھیں دشمنوں نے یہ سمجھ کر کہ اس کا بھی دم نکل چکا ہے چھوڑ دیا تھا۔ اور سر تن سے جدا کرنا ضروری نہ سمجھا تھا۔

وہ شریف انسان سوید بن ابی المطاع تھے معزز ترین بہادران عرب اور حسینؑ کے مخلص ترین یاور و ناصر خداوند عالم کو گوارا نہ ہو کہ یہ نیم جاں اور موت سے قریب بزرگ دنیا سے

اٹھ جائیں اور اپنے فخر و ناز کے سرمایہ میں ایک ایسے فخر و ناز کا اضافہ نہ کر لیں جو آج کے دن ان کے کارناموں میں چار چاند لگائے اور جس کے ذریعہ ان کے فخر و ناز کی پوری تکمیل ہو جائے دشمن کے لشکر میں ہنگامہ تھا۔ چیخ پکار تھی کہ حسین مارے گئے یہ چیخ پکار ان کے کانوں میں بھی پہونچ جاتی کی گھڑیاں تھیں کوئی آواز مشکل ہی سے کانوں تک پہونچ سکتی تھی۔ آواز پہونچ بھی جاتی تو اس کا مطلب ذہن میں آنا مشکل تھا۔ لیکن اس آواز کو سننے کے بعد نہ تو ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو ہی چکا امیدیں ساری منقطع ہو چکیں بہتر یہ ہے کہ چپکے پڑے رہیں تاکہ دشمن مردہ سمجھ کر ہم تعرض نہ کرے نہ ان کے دل میں یہ بات آئی میں نیم جاں ہو رہا ہوں جسم سے سارا خون بہہ چکا ہے میں دشمن کو اگر نقصان پہونچانا بھی چاہوں تو میرے ہاتھ پیر ہلانے کے پہلے ہی دشمن میرا کام تمام کر دیں گے۔ انھوں نے اس سخت ترین وقت میں اس انتہائی بے بسی کے عالم میں بھی کسی چیز کا خیال نہ کیا۔ اگر خیال ان کے دل میں آیا بھی تو صرف یہ کہ اپنے کو دشمن میں ڈال دیں اور جتنا بھی بس چلے ان کو قتل کرنے کی کوشش کریں چاہے ہماری یہ کوشش کتنی ہی کمزور کیوں نہ ہو۔ انھوں نے اپنی تلوار ڈھونڈھی معلوم ہوا کہ دشمن لوٹ لے گئے ہیں۔ کوئی دوسرا حربہ بھی نہ مل سکا۔ جس سے وہ دشمن پر وار کر سکتے صرف ایک چھوٹی سی چھری ہاتھ لگی جو تلوار وں

اور نیزوں کے مقابلہ میں کسی بھی مصرف کی نہ تھی لیکن انھوں نے اسی چھری کو کافی سمجھا اور موت اور ناتوانی سے جنگ کرتے ہوئے لاشوں کے درمیان اٹھ بیٹھے جس طرح کوئی مایوس انسان مرنے مارنے پر تل جاتا ہے وہ نہ کسی چیز سے بھاگتا ہے اور نہ اسے یہ پروا ہوتی کہ کسے مار رہا ہوں اور کون مر رہا ہے دشمنوں پر دہشت چھاگئی۔ ان کے ہاتھ شل ہوکر رہ گئے۔ ادھر سوید ان پر ٹوٹے پڑتے تھے نہ جانے کتنے قتل ہوئے کتنوں کو کاری زخم پہونچا۔ یہاں تک کہ دشمنوں کے گئے ہوئے حواس واپس آئے مگر اس پورے لشکر میں ایک بھی ایسا نہ نکلا کہ اس جاں بلب مجاہد کو اکیلے قتل کرسکتا دو شخصیوں نے مل کر ان کا کام تمام کیا۔ یہ تھا وہ مجدو کرم وہ بزرگی و شرافت جو حسینؑ کے رفیقوں میں زندگی کے آخری سانسوں تک باقی رہی۔

شقاوت و درندگی

ہم نے بالکل ہی ٹھیک کہا تھا۔ کہ اس جنگ میں دو بالکل ہی متضاد اور مغائر فریقین برسرپیکار تھے یہ جنگ شریف و پاکیزہ ترین خصلت انسانی اور شرمناک و ذلیل ترین خصلت انسانی کی باہمی جنگ تھی۔

ایک طرف رفقائے حسینی کی پاکیزگی نفس و وفا و اخلاص کا یہ عالم

کہ زخموں سے چور چور ہیں سکرات کا عالم ہے مگر اپنے ایمان و اعتقاد کی نصرت و حمایت میں اپنی آخری سانسیں بھی صرف کر دیتے ہیں دوسری طرف سپاہ یزید کی یہ کیفیت کہ دوسروں کے فیصلہ کو چھوڑیئے خود ان کا نفس جس گناہ کو گناہِ عظیم سمجھتا تھا اس کے کرنے سے باز نہیں رہے وہ سب ہی کا لوٹ پڑنا معمولی مالِ غنیمت کے لیے جو نہ ان کی بھوک مٹا سکتا تھا نہ ان کی احتیاج دور کر سکتا تھا۔ اگر حسینؑ کے لشکر کا سارا ساز و سامان سونے اور جواہرات کا بھی ہوتا تب بھی سپاہ یزید کے لیے وہ کافی نہیں ہو سکتا تھا کہاں حسینؑ کا مختصر سا لشکر اور کہاں یزیدی فوج کے بے شمار تعداد لیکن قیامت یہ کہ حسین کی ابھی آخری سانسیں باقی تھیں کہ فوج یزیدی تاراجی خیام میں مصروف ہو گئی تاکہ جہاں جو کچھ بھی ہاتھ لگے لوٹ لیں انھوں نے اہل بیت پیغمبرؐ کی خواتین کو سراسیمہ و بدحواس کر دیا ان کے جسم پر جو زیورات اور چادریں تھیں چھین لیں حرم رسول کی بے حرمتی میں نہ انھوں نے دین و مذہب کا پاس و لحاظ کیا نہ انسانی شرافت کا عورتوں کو لوٹ کر یہ لوگ حسینؑ کے جسد بے سر پر لوٹ پڑے ان کے جسم پر وہ لباس بھی نہ رہنے دیا جو تیروں تلواروں اور نیزوں کے وار سے پارہ پارہ ہو چکا تھا۔ ——— اگر حسینؑ وقت آخر ان لوگوں کی سفاکی دور ندگی کو پیش نظر رکھتے ہوئے عمداً بوسیدہ لباس نہ پہن لیتے اور اسے چاک چاک نہ کر دیتے کہ بیکار سمجھ کر

شاید اس لباس کو میرے جسم پر چھوڑ دیا جائے تو قریب تھا کہ یہ لوگ اس لباس کو بھی آپ کے جسم سے اتار لیتے پھر دس سوار حسینؑ کے جسد اطہر کی طرف متوجہ ہوئے اور گھوڑے کی ٹاپوں سے اسے روند ڈالا جیسا کہ ابن زیاد نے انھیں حکم دیا تھا وہ اتنی مرتبہ اپنے گھوڑوں کو دوڑا کر جسد اطہر پر لائے اور لے گئے کہ آپ کا سینہ اور پشت مبارک سرمہ سرمہ ہو گئی۔ ممکن ہے ان تمام ہولناک سفاکی و درندگی کی تاویل یہ کی جائے کہ یہ سب کچھ مال غنیمت کی لالچ میں ہوا چاہے وہ کتنا ہی مختصر اور بے قیمت کیوں نہ رہا ہو لیکن یہ تاویل انتہائی غلط ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ یزید کے فوجیوں نے یہ سارے مظالم کسی مال غنیمت کے لالچ میں نہیں بلکہ اپنے جذبۂ بہیمیت کی تسکین کے لیے انجام دیئے ان کی فطرت ہی شر و فساد کا مجموعہ تھی اور انھوں نے جو کچھ کیا فطرت کے مطابق کیا۔

انھوں نے شیر خوار بچہ کو جو پیاس سے جاں بلب تھا پانی سے محروم کیا اور بجائے اس کی تشنگی بجھانے کے تیر کا نشانہ بنایا۔ انھوں نے ایسے کمسن بچوں بوڑھے ضعیف افراد کو قتل کیا جن کے قتل کا کوئی مقصد ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ ایسے لوگوں کو خوفزدہ اور سراسیمہ کیا جنھیں سراسیمہ و بدحواس کرنا کوئی قابل تعریف بات نہ تھی کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ کوئی ڈرا سہما بچہ خیمہ سے نکلا اسے یہ سمجھنے کی صلاحیت بھی نہ تھی کہ میرے گرد و پیش کیا ہو رہا ہے۔ اس سہمے

ہوئے بچے پر کوئی سوار اپنا نیزہ لے کر ٹوٹ پڑا اور اس کی ماں بہن پھوپھی کی آنکھیں کے سامنے اسے مار ڈالا۔

اس قسم کے بیسیوں واقعات پیش آئے اس میں ذرہ برابر بھی مبالغہ نہیں جیسا کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بہت دنوں بعد کرایہ کے آدمیوں نے ان واقعات کو مبالغہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے یہ بھی جانتے ہیں کہ کربلا میں حضرت علی کی نسل کے ہر چھوٹے بڑے مقتول ہوئے مردوں میں کوئی باقی نہ بچا سوا حسین کے نوجوان فرزند زین العابدین کے جیسا کہ سراقہ باہلی کہتا ہے۔

عین جودی بعبرۃ وعویل واندبی ماندبت آل الرسول

سبعہ منہم لصلب علی قد ابیدوا وسبعۃ لعقیل

اے آنکھ جتنا ہو سکے آنسو بہا اور جتنا ہو سکے نوحہ و ماتم کر اہل بیت پیغمبرؐ پر سات فرزند علیؑ کے صلب سے قتل کئے گئے اور سات اولاد عقیل سے۔

زین العابدین کا زندہ بچ رہنا بھی قضا و قدر کا عجیب ترین کرشمہ تھا اس لیے کہ وہ شدید بیمار تھے۔ ہر لمحہ ان کے گھر والوں کو ان کی موت کا دھڑکا لگا ہوا تھا۔ شمر ابن ذی الجوشن نے چاہا کہ انھیں بھی قتل کر ڈالے تو عمر ابن سعد نے اسے روک دیا خواہ رشتہ داری کی شرم کی وجہ سے کیونکہ وہ بھی قریشی تھا۔ اور اس کا سلسلہ نسب عبد مناف تک جا کر حسینؑ کے سلسلہ نسب سے مل

جاتا ہے اس کو شرم آئی کہ بنی ہاشم کی عورتوں کے سامنے کیونکر زین العابدین کو ہلاک کرے یا اسے یقین تھا کہ یہ خود اپنی مہلک بیماری سے مر جائیں گے۔ اسی حیرت انگیز صورت سے وہ بچ رہے اور ان کی وجہ سے حسین کی نسل دنیا میں محفوظ رہی اگر ایسا نہ ہوتا تو یقیناً حسینؑ کی نسل ختم ہو گئی ہوتی۔

پھر افواج یزیدی نے شہدائے کربلا کے سر ان کے جسموں سے جدا کئے اور اپنے نیزوں پر انھیں نصب کیا لاشہائے بے سر کو یوں ہی خاک پر پڑا رہنے دیا۔ نہ انھیں دفن کیا نہ ان پر نماز پڑھی جس طرح انھوں نے اپنے کشتوں پر نماز پڑھی تھی۔ حسینؑ کے اہل حرم کو بے مقنعہ و چادر ننگے سر لے کر چلے اہل حرم چیخیں مار مار کر رونے لگے زینب نے فریاد بلند کی۔

یا محمدؐ الا ھذا الحسینؑ بالعراء وبناتك سبایا وذریتك مقتلة تسفی علیھا الصباء

اے نانا جان اے پیغمبرؐ خدا یہ حسینؑ کا لاشہ بے سر ہے جو بیابان میں پڑا ہے۔ آپ کی بیٹیاں قیدی بنالی گئیں آپ کی اولاد قتل کر ڈالی گئی ہوا ان پر ریگ گرم اڑاتی ہے۔

زینبؑ کی اس فریاد نے شام والوں پر سکتہ طاری کر دیا وہ مبہوت ہو کر رہ گئے بیساختہ آنکھوں سے آنسو بہ نکلے اور دشمن بھی اسی طرح روئے جس طرح دوست رو رہے تھے۔

پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفٰے کو اس دنیا سے عالم جاودانی کو رحلت فرمائے ہوئے پورے پچاس برس بھی ابھی نہیں گزرے تھے وہ محمد مصطفٰے جنھوں نے ان لوگوں کے دین و دنیا دونوں کو سنوارا تھا اور اس وقت تک دنیا سے نہ اٹھے جب تک انھیں ظلمت سے نکال کر نور میں اور صحرا کی المناک زندگی سے نکال کر آباد زندگی میں نہ پہونچا دیا کہ اب یہ تمام اقوام عالم کے سردار تھے پچاس برس بھی آپ کے انتقال کو نہ ہوا تھا کہ دنیا کی نگاہوں نے دیکھا۔ کہ وہ لوگ بہت بڑے جلوس کی شکل میں جنگلوں کو قطع کرتے ہوئے ایک شہر سے دوسرے شہر میں داخل ہو رہے تھے پیغمبر کی بیٹیوں کو قیدی بنائے ہوئے جو بے مقنعہ و چادر سر برہنہ اونٹوں پر سوار تھیں ان کے پرچم جو اس جلوس کے آگے آگے تھے۔ پیغمبر کے فرزندوں کے سر تھے جنھیں انھوں نے اپنے نیزوں پر نصب کر رکھا تھا فتح و کامیابی کے شادیانے بج رہے تھے اور اس طرح ایک شہر سے دوسرے شہر میں داخل ہو رہے تھے جیسے فتح یاب لشکر داخل ہوتا ہے۔

شہدائے کربلا کے لاشے اسی طرح ریگ زار پر پڑے رہے ان پر باد صبا دگرد و غبار اڑا رہی تھی۔ بنی اسد کے کچھ لوگ جو اسی کربلا کے اطراف میں رہتے تھے رات کے وقت ان لاشوں کو سپرد خاک کرنے کے لیے نکلے جب ایک یا دو دن کے بعد انھیں

اطمینان ہوگیا کہ مخبر اور جاسوس اور کارپرداز ان حکومت کی نگاہوں سے ہم محفوظ ہیں تو چاندنی رات میں انھوں نے یہ خدمت انجام دی۔ واقعہ شہادت ۱۰ محرم کو پیش آیا۔ محرم کی گیارھویں رات میں جب کہ چاند کامل ہونے کے قریب تھا اس کی روشنی میں بنی اسد نے قبریں کھودیں۔ ان لاشوں پر نماز پڑھی اور انھیں دفن کرنے کے بعد تاریخ کے سپرد کر کے کربلا سے رخصت ہو گئے آج وہی کربلا زیارتگاہ ہے مسلمان گروہ گروہ یا فرداً فرداً ان قبروں کے طواف کو آتے ہیں اس سرزمین کا حق یہ ہے کہ ہر انسان ان قبروں کا طواف کرے اس لیے کہ یہ مزاران مقدس ترین احساسات کا عنوان ہے جو انسان کو دوسرے جاندار جانوروں سے ممتاز کرتے ہیں۔

شامیانہ فلک آج تک شہیدانِ کربلا سے بڑھ کر معزز و محترم کسی شہید کے گنبد پر سایہ فگن نہ ہوا۔ اس لیے کہ یہ گنبد آرام گاہ شہادت ہیں اور ان سے شہیدوں کی یاد وابستہ ہے۔

کربلا کے بعد

کربلا کے بعد

امام حسینؑ کا جسد اطہر کہاں دفن ہوا اس کے متعلق دو قول نہیں البتہ آپ کے سر اقدس کے جائے دفن کے متعلق متعدد اقوال ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ کچھ دنوں کے بعد آپ کا سر پھر کربلا لایا گیا اور جسد اطہر جہاں دفن تھا وہاں وہ بھی دفن کیا گیا۔

ایک قول یہ ہے کہ وہ سر عمرو بن سعید بن عاص کے پاس بھیجدیا گیا جو یزید کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا اس نے امام حسینؑ کی مادر گرامی جناب فاطمہ زہراؑ کی قبر کے پاس جنت البقیع میں وہ سر دفن کیا۔

ایک قول یہ ہے کہ یزید کے مرنے کے بعد وہ سر یزید کے خزانہ میں پایا گیا چنانچہ دمشق کے باب الفرادیس کے پاس وہ سر دفن ہوا۔

ایک قول یہ ہے کہ وہ سر شہر بہ شہر پھرایا گیا یہاں تک کہ وہ سر عسقلان پہونچا وہاں کے حاکم نے اُسے دفن کیا ایک عرصہ تک وہ سر وہاں مدفون رہا یہاں تک کہ صلیبی لڑائیوں میں فرنگیوں کا تسلط

ہوا اس وقت خلفائے فاطمین کے وزیر صالح نے ۳۰ ہزار درہم فرنگیوں کو اس شرط پر دیئے کہ اس سر کو قاہرہ منتقل کر دو۔ صالح نے وہ سر منگوا کر اس جگہ دفن کیا جہاں آج کل مشہد راس الحسینؑ کے نام کی مشہور عمارت ہے۔

علامہ شعرانی طبقات الاولیا میں لکھتے ہیں۔

وزیر صالح بن زریق اپنے لشکر سمیت برہنہ پا سر حسینی کے استقبال کے لیے صالحیہ آیا سر امام لے کر سبز ریشم کے غلاف میں رکھا جو آبنوس کی کرسی پر رکھا ہوا تھا اور مشک و عنبر اور عطر سر کے نیچے بچھایا اور خان خلیلی کے قریب مشہد حسینی میں جو مشہور و معروف روضہ ہے دفن کیا۔"

علا، ہروی الاشارات الی اماکن الزیارات میں لکھتے ہیں۔

"اور اس عسقلان میں مشہد حسین ہے جہاں آپ کا سر دفن تھا جب اہل فرنگ اس پر قابض ہو گئے تو مسلمانوں نے ۵۴۹ھ میں وہ سر وہاں سے قاہرہ منتقل کر دیا۔"

ابن بطوطہ اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں۔

"ہم عسقلان گئے۔ اسی عسقلان میں وہ مشہور مشہد ہے جہاں قاہرہ منتقل کئے جانے سے پہلے تک سر امام حسین دفن تھا۔"

علامہ سبط ابن جوزی بہت سے اقوال ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

"امام مظلوم کا سر مسجد رقہ میں دفن ہے جو فرات کے کنارے آباد

ہے جب یہ سر یزید کے پاس لایا گیا تو اس نے کہا میں اس سر کو عثمان کے سر کے بدلہ میں آل ابی معیط کے پاس بھیجوں گا آل ابی معیط ان دنوں رقہ میں آباد تھے۔ جب یہ سر ان لوگوں کے پاس آیا تو انھوں نے اپنے کسی گھر میں اُسے دفن کر دیا پھر وہ گھر مسجد جامع میں داخل کر لیا گیا۔ یہ مسجد رقہ کے شہر پناہ کے پہلو میں ہے۔"

اس طرح چھ شہروں کے نام مورخین نے لئے ہیں۔ مدینہ۔ کربلا۔ رقہ۔ دمشق عسقلان۔ اور قاہرہ۔ ان میں کوئی شہر حجاز میں ہے کوئی عراق میں کوئی شام میں کوئی بیت المقدس میں اور کوئی دیار مصر میں۔ قطع نظر اس سے کہ ان شہروں میں سے کسی شہر میں امام مظلوم کا سر دفن ہے یا نہیں بلاشبہ ان تمام مقامات پر حسین کی یاد تازہ اور اُن کا نام زندہ کیا جاتا ہے۔

تاریخ میں بہت سے اختلافات ہیں لیکن نتیجہ چونکہ سب کا حقیقۃً ایک ہی ہے اس لئے ہم ان اختلافات کو صرف لفظی یا عرضی اختلافات کہہ سکتے ہیں۔ انھیں اختلافات میں سے سر امام مظلوم کے مدفن کا اختلاف بھی ہے۔ آپ کا سر اقدس چاہے جس جگہ بھی دفن ہو بہر حال وہ تعظیم و احترام کا سزاوار ہے یقیناً حسین اپنی عظیم ترین شہادت، اپنی بے مثال جوانمردی اور خاندانی عز و شرف کی وجہ سے وہ مثالی شخصیت ہیں جنکی جگہ ہر انسان کے دل میں ہے اور کوئی شخص انکے مرقد انور سے دور ہو یا نزدیک مگر حسین سے دور نہیں کیونکہ وہ ہر قریب و بعید کے دل میں سمائے ہوئے ہیں۔

ابنِ زیاد کی بے حیائی

ابن زیاد کی بے حیائی

وہ واقعات جو کربلا کے روح فرسا المیہ کے بعد، اہل بیت کے دربار یزید پہونچنے تک پیش آئے ان میں زیادہ اختلاف نہیں اور اگر کچھ اختلافات ہیں بھی تو کسی اہمیت کے حامل نہیں۔ اس پر تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد سرہائے شہداء اور مخدرات اہل بیت کوفہ لے جائے گئے اور ابن زیاد نے حکم دیا کہ انھیں کوفہ کے بازاروں میں پھرایا جائے پھر یزید کے پاس لے جایا جائے۔

جس طرح سیہ کار و جفا پیشہ انسان، ضمیر کے کچوکے سے بچنے کے لئے مزید شقاوت و درندگی پر اتر آتے ہیں اسی طرح یہ کوفہ و شام کے سیہ کار گنہ گار آپے سے باہر ہو کر ذلیل سے ذلیل حرکتیں کر رہے تھے۔ خولی ابن یزید جس کی تحویل میں امام مظلوم کا سر تھا شب میں اس سر کو اپنے گھر لے گیا یہ سمجھتے ہوئے کہ مجھے دنیا بھر کی دولت مل گئی لیکن اس کی زوجہ جو حضرمی قبیلہ سے تھی اس بے غیرتی کو برداشت نہ کر سکی اس نے قسم کھائی کہ جس جگہ فرزند رسول کا سر ہو وہاں میں شوہر کے پاس نہیں رہ سکتی۔

دوسرے دن صبح کو خولی امام مظلوم کا سر ابن زیاد کے قصر میں لے گیا

وہاں پیغمبر کے بوڑھے صحابی زید بن ارقم بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ جب طشت میں رکھ کر وہ سر ابن زیاد کے سامنے رکھا گیا تو اس نے اپنی چھڑی حسینؑ کے دانتوں پر مارنا شروع کی زید بن ارقم سے برداشت نہ ہو سکا وہ چیخ پڑے۔

"ارے یہ کیا کر رہا ہے ان ہونٹوں سے اپنی چھڑی ہٹالے خدا کی قسم میں نے اپنی آنکھوں سے پیغمبر کو یہی لب و دندان چوستے ہوئے دیکھا ہے۔

اس کے بعد زید بن ارقم ڈاڑھیں مار کر رونے لگے۔

ابن زیاد نے اُن کا مذاق اڑایا اور کہنے لگا۔

"اگر تم بوڑھے اور سٹھیا نہ گئے ہوتے تو میں تمہاری گردن اڑا دیتا"

زید بن ارقم یہ فریاد کرتے ہوئے دربار سے نکل گئے۔

"گروہ عرب آج کے بعد تم غلام ہو گئے تم نے فاطمہ کے لال کو قتل کیا اور مرجانہ کے بیٹے کو اپنا امیر بنایا جو تمہارے بڑوں کو قتل اور تمہارے نیکو کاروں کو اپنا غلام بناتا ہے"

جناب زینب بنت علی، ابن زیاد کے پاس لائی گئیں آپ کے جسم پر انتہائی خراب و خستہ لباس تھا آپ کے ساتھ حسین کے اہل و عیال تھے۔

جناب زینب خاموش ایک گوشہ میں بیٹھ گئیں نہ کچھ بولتی تھیں نہ کسی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتی تھیں ابن زیاد نے پوچھا۔

"یہ کون عورت ہے جو الگ گوشے میں بیٹھی ہوئی ہے اور عورتیں اس کا حلقہ کئے ہوئے ہیں؟"

جناب زینب نے کوئی جواب نہ دیا ابن زیاد نے دوبارہ سہ بارہ

پوچھا جناب زینب ہر مرتبہ خاموش رہیں البتہ کسی کنیز نے یہ کہا۔

"یہ زینب بنت فاطمہ دختر رسول خدا ہیں"

ابن زیاد نے دریدہ دہنی کرتے ہوئے کہا۔

خدا کا شکر کہ جس نے تم لوگوں کو ذلیل کیا تمہیں ہلاک اور تمہارے دعووں کو غلط ثابت کر دیا۔

اس لیے بجاد کسی میرسی اور کلیجہ خون کر دینے والی تباہی کے عالم میں جو بڑے بڑے بہادروں کی ہمت شکستہ کر دیتی ہے پیغمبر کی نواسی علی کی بیٹی اور حسین کی بہن ہی اس کی سزاوار تھیں کہ محیر العقول قوت قلب کا مظاہرہ کریں اور اپنی بے خوفی اور جذبہ فدا کاری سے کام لے کر حسین کی بقیہ نسل کو ختم ہونے سے بچا لیں۔ آپ نے ابن زیاد کو مہلت نہ دی فوراً ہی جواب دیا۔

"اس خدا کا شکر جس نے اپنے پیغمبر کے ذریعہ ہمیں عزت بخشی اور ہمیں ہر کثافت و گندگی سے پاک و پاکیزہ بنایا فاسق ہی ذلیل و خوار اور بدکار ہی رسوا ہوتا ہے اور وہ ہم نہیں ہمارے غیر ہیں"

ابن زیاد نے کہا۔

خدا نے تمہارے سرکش بھائی حسین اور نافرمانوں کو ہلاک کر کے میرے دل کو بڑا ٹھنڈا کیا۔

جناب زینب ابن زیاد کے ان بیدردانہ کلمات اور اپنی مصیبت پر اس کے اس اظہار مسرت پر تڑپ اٹھیں آپ نے فرمایا۔

"تونے میرے مردوں کو قتل۔ میرے گھر والوں کو تباہ و برباد کیا میری شاخیں کاٹ ڈالیں میری جڑوں کو اکھاڑ پھینکا اگر اس سے تیرے دل کو ٹھنڈک پہونچ سکتی ہے تو ضرور پہونچی ہوگی"

ابن زیاد نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

"یہ بڑی قافیہ باز ہیں ان کے باپ بھی بڑے قافیہ باز اور شاعر تھے"

زینب نے کہا۔

مجھ دکھوں کی ماری کو شاعری سے کیا سروکار؟

پھر ابن زیاد کی نظر زینب کے پاس ایک بیمار نوجوان پر پڑی جسے بیماری نے انتہائی لاغر کر دیا تھا اس نوجوان سے پوچھا۔

"تم کون ہو؟"

نوجوان نے کہا۔ میں علی ابن الحسین ہوں۔

ابن زیاد نے پوچھا کیا خدا نے علی ابن الحسین کو قتل نہیں کیا۔

نوجوان نے کہا میرے ایک بھائی بھی اسی نام کے تھے انھیں لوگوں نے قتل کیا۔

ابن زیاد نے اپنی بات دوہرائی نہیں اللہ نے انھیں قتل کیا۔

امام زین العابدین نے اس کے جواب میں یہ آیت پڑھی:

اللہ یتوفی الانفس حین موتھا وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ

خدا ہی نفسوں کو جب ان کی موت کا وقت آجاتا ہے اپنے پاس بلا لیتا ہے۔

کوئی نفس کبھی بغیر خدا کی اجازت کے مرنے والا نہیں۔

ابن زیاد کو امام زین العابدین کا جواب دینا بہت شاق گذرا اس نے جھڑکتے ہوئے کہا۔

تمہاری یہ ہمت کہ میرا جواب دو۔

پھر اس نے سپاہیوں کو پکار کر کہا اسے لیجاؤ ان کی گردن مار دو۔

نوجوان کی پھوپھی جناب زینب کو جوش آ گیا یہ ایسا جوش تھا جسے نہ دیدبہ واقتدار روک سکتا تھا نہ اسلحے اس کی روک تھام کر سکتے تھے۔ یہ جوش اس کا تھا جس کی نظروں میں نہ مرنے کی پرواتھی نہ جینے کی۔ آپ نے امام زین العابدین کے گلے میں باہیں ڈال دیں یہ طے کر کے کہ جب تک جسم میں جان ہے میں اسے نہ چھوڑوں گی۔ آپ نے ابن زیاد کو قسم دی کہ اگر زین العابدین کو قتل ہی کرنا ہے تو مجھے بھی ان کے ساتھ قتل کر ڈال ابن زیاد پر دہشت طاری ہو گئی اس نے انتہائی دہشت و حیرت کے عالم میں کہا۔

"اف رے خون لگاؤ میں سمجھتا ہوں کہ یہ دل سے چاہتی ہیں کہ بھتیجے کے ساتھ یہ بھی قتل ہو جائیں پھر یہ خیال کر کے کہ یہ نوجوان تو بیماری سے خود ہی نیم جان ہے آج نہیں تو کل مر جائے گا سپاہیوں سے کہا چھوڑ دو اسے قتل نہ کرو۔

یہی علی زین العابدین جد امجد ہیں ان تمام سادات کے جو حسین سے نسبت رکھتے ہیں یہ ویسے ہی تھے جیسا کہ علامہ ابن سعد نے طبقات میں ان کے متعلق

لکھا ہے۔

ثقۃ کثیر الحدیث عالیا رفیعا ورعا

یہ ثقہ تھے پیغمبر کی بہت سی حدیثیں انھوں نے روایت کیں بہت بلند رتبہ، عظیم الشان اور پرہیزگار انسان تھے۔

اور جیسا کہ یحییٰ بن سعید نے کہا تھا افضل ہاشمی رأیتہ فی المدینۃ مدینہ کے تمام ہاشمیوں سے افضل و برتر۔

اگر جناب زینب اپنی جان دیدینے پر نہ تل جائیں تو یقیناً ابن زیاد کی زبان کا نکلا ہوا ایک فقرہ اس بہترین نسل کا خاتمہ کردینے کیلئے کافی ہوتا۔

..........٭..........

امام مظلوم کا سر یزید کے پاس

جب اس خبیث و پست فطرت ابن زیاد نے امام مظلوم کا سر کوفہ و اطراف کوفہ میں گشت کرا کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لی تو اس نے حسین اور رفقائے حسینی کے سروں کو نیزوں پر نصب کرا کر دمشق کی طرف روانہ کیا۔ پھر شمر بن ذی الجوشن اور محفر بن ثعلبہ کی نگرانی میں عورتوں اور بچوں کو اونٹوں پر سوار کر کے ان کے پیچھے بھیجا اس قافلہ میں زین العابدین بھی تھے گردن تک زنجیروں میں جکڑے ہوئے۔ یہ دونوں تیزی سے چل کر پہلے قافلہ سے جا ملے اور ساتھ ہی شام میں یزید کے پاس پہونچے۔

جو منظر ابن زیاد کے دربار میں پیش آ چکا تھا وہی منظر یزید کے دربار میں پیش آیا۔ ہمیں اس پر کوئی تعجب بھی نہیں کہ بعض باتیں بالکل اسی طرح پیش آئی ہوں جس طرح ابن زیاد کے دربار میں پیش آ چکی تھیں جس کی وجہ سے بعض لوگوں کو یہ خیال پیدا ہو گیا کہ دربار ابن زیاد اور دربار یزید کے مناظر تاریخ میں خلط ملط ہو گئے ہیں۔ کیونکہ جو فطرت ابن زیاد کی تھی وہی فطرت یزید کی بھی تھی دونوں کے کردار اور ان کے حالات کی یکسانیت مقتضی تھی کہ ان کے درباروں میں ایک ہی جیسی باتیں

پیش آئیں اور جو سوال و جواب اور انجام کار ابن زیاد کے دربار میں ہوا تھا وہی سوال و جواب اور انجام کار یزید کے دربار میں ہوا ہو۔

یزید کے دربار میں جب حسینؑ کی شہادت کی خبر پہونچی تو جتنے بیٹھے تھے سبھی کھڑا اٹھے کوئی اور نہیں مروان بن حکم کا بھائی یحییٰ بن حکم بیساختہ کہہ اٹھا۔

لھام بجنب الطف ادنی قرابۃ من ابن زیاد العبد ذی الحسب الوغل
سمیۃ امسی نسلھا عدد الحصی و بنت رسول اللہ لیست بذی نسل

وہ جسد ہائے بے سر جو کربلا میں پڑے ہیں وہ زیادہ قریب ہیں ابن زیاد سے جو غلام اور دوغلی نسل کا ہے۔

سمیہ کی اولادیں تو کنکر دل پتھر دل جتنی بے شمار ہیں اور دختر رسول کی نسل باقی نہیں رہی۔ یزید نے جھڑک کر یحییٰ کو خاموش کر دیا اور حسینؑ کے لب و دندان کو چھڑی سے چھیڑتے ہوئے اور ان کے سر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

وہ تم لوگ جانتے ہو حسین کا یہ انجام کیوں ہوا؟ ان کا کہنا تھا کہ ان کے باپ میرے باپ معاویہ سے اور ان کی ماں میری ماں سے اور ان کے نانا رسول خدا میرے دادا سے اور یہ مجھ سے زیادہ بہتر اور حکومت کے زیادہ سزاوار ہیں ان کے باپ اور میرے باپ نے خدا کے نزدیک جھگڑا کیا اور لوگوں کو معلوم ہے کہ خدا نے ان دونوں میں سے کس کے حق میں فیصلہ کیا۔ بے شک ان کی ماں میری ماں سے بہتر تھیں کون مسلمان ہے

جوان کے نانا کے برابر کسی کو قرار دے سکے۔ لیکن حسین میں فہم و دانش کی کمی تھی انھوں نے یہ خدائی حکم نہیں پڑھا تھا قل اللھم مالک الملک توتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء خدا ہی بادشاہت کا مالک ہے جس کو چاہتا ہے بادشاہت دیتا ہے جسے چاہتا ہے محروم رکھتا ہے۔"

معاویہ نے بھی علی کے مقابلہ میں اسی طرح اپنی حکومت کے حق میں استدلال کیا تھا غالباً یزید نے معاویہ ہی کی یہ بات کچھ اضافوں کے ساتھ اس موقع پر دوہرائی تھی۔

کسی شامی کی نظر امام حسین کی حسین و جمیل دختر فاطمہ پر پڑ گئی اس نے یزید سے کہا یہ کنیز مجھے دیدیجئے فاطمہ سہمی سہمی لرز گئیں انھوں نے اپنی پھوپھی زینب کا دامن تھام لیا اس موقع پر زینب نے ٹھیک اسی طرح اپنی بھتیجی کی حفاظت کی جس طرح قصر کوفہ میں اپنے بھتیجے زین العابدین کی کر چکی تھیں آپ نے چیخ کر کہا۔

اے جھوٹے اور کمینے انسان۔ ہرگز تجھے یہ حق نہیں نہ یزید کو یہ حق حاصل ہے۔

یزید نے غصہ میں بگڑ کر کہا۔

تم نے جھوٹ کہا مجھے یہ حق حاصل ہے اور چاہوں تو ایسا کر گذروں۔

آپ نے فرمایا۔

ہرگز نہیں قسم بخدا یہ حق تجھے ہرگز نہیں ہاں اگر ہمارے دین سے نکل

جائے اور کسی دوسرے دین کو اختیار کرے تو دوسری بات ہے۔

یزید کا غصہ اور بھڑکا اور چیخ کر کہا۔

"تم مجھے ایسا کہتی ہو۔ دین سے تمہارے باپ اور بھائی خارج ہو گئے تھے۔

جناب زینب نے کہا۔

میرے باپ بھائی اور نانا ہی کی وجہ سے تم تمہارے باپ دادا مسلمان ہوئے۔

یزید سے اس کا کوئی جواب بن نہ پڑا بس اتنا کہہ سکا۔

نہیں! دشمن خدا بلکہ تم جھوٹی ہو۔

جناب زینب نے فرمایا۔

اب تم حکومت کے مالک ہو جتنا جی چاہے گالیاں دے لو اور جتنے ظلم جی چاہے ڈھاؤ۔

یزید نے سر جھکا لیا اور خاموش ہو گیا۔

امام زین العابدین طوق و سلاسل میں مقید یزید کے پاس لائے گئے یزید نے حکم دیا کہ ان کی زنجیریں کھول دی جائیں اور امام زین العابدین سے کہا۔

"حسین کے بیٹے! تمہارے باپ نے میری رشتہ داری کا پاس و لحاظ نہ کیا میرے حق سے منکر ہوئے اور میری حکومت کے بارے میں مجھ سے جھگڑا کیا خدا نے ان کے ساتھ جو سلوک کیا وہ تم نے دیکھ ہی لیا۔

زین العابدین نے جواب میں یہ آیت پڑھی۔

ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبرءھا ان ذالک علی اللہ یسیر۔ لکیلا تاسوا علی مافاتکم ولا تفرحوا بما اتاکم اللہ واللہ لا یحب کل مختال فخور

جتنی مصیبتیں روئے زمین پر اور خود تم لوگوں پر نازل ہوتی ہیں (وہ سب) قبل اسکے کہ ہم انھیں پیدا کریں کتاب (لوح محفوظ) میں (لکھی ہوئی) ہیں بیشک یہ خدا پر آسان ہے تاکہ جب کوئی چیز تم سے جاتی رہے تو تم اس کا رنج نہ کیا کرو اور جب کوئی چیز (نعمت) خدا تم کو دے تو اس پر نہ اترایا کرو اور خدا کسی اترانے والے شیخی باز کو دوست نہیں رکھتا یزید نے اس کے جواب میں یہ آیت پڑھی۔

ما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم۔

تم پر جو مصیبت بھی آتی ہے وہ تمہارے ہی کرتوت کا نتیجہ ہے۔

اس کے بعد خاموش ہوگیا۔

یزید کے گھر کی عورتوں کی ملاقات حسین کے اہلحرم سے، یزید کی ملاقات سے کہیں بہتر رہی انھوں نے جناب زینب اور دیگر مخدرات اہل بیت سے ہمدردی کا اظہار کیا کلمات تعزیت کہے اور کربلا میں ان کا جو مال و متاع لوٹا گیا تھا وہ واپس کیا۔

یزید نے چاہا کہ ہم سے جو ہولناک حرکت سرزد ہوچکی ہے اس کی تلافی کی جائے اس نے نعمان بن بشیر کو بلایا جسے اس نے کوفہ کی حکومت سے

معزول کر دیا تھا اور حکم دیا کہ حسینؑ کے اہلحرم کو مدینہ پہونچا دے اور اُن کی ضروریات کا سامان کرے۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے امام زین العابدین کو رخصت کرتے وقت یہ فقرے کہے۔

"خدا ابن مرجانہ پر لعنت کرے۔ بخدا اگر تمہارے باپ کا معاملہ میرے ساتھ پیش آیا ہوتا تو وہ جو چاہتے میں اسے پورا کرتا اور اپنی پوری توانائیوں سے کام لیکر اُن کی جان کی حفاظت کرتا۔ چاہے اس سلسلہ میں میرے بعض فرزند بھی کام آجاتے۔ لیکن خدا کا کرنا ایسا ہی ہوا۔ تم مدینہ پہونچ کر مجھے خط لکھنا جو چاہو گے وہ پورا کیا جائے گا۔"

.... بس ....

یزید کی ذمہ داریاں

حادثہ کربلا میں یزید کا کتنا ہاتھ تھا کس حد تک ذمہ داریاں اس کے سر عائد ہوتی ہیں اس کے متعلق لوگوں کے مختلف خیالات و نظریات ہیں اور سبھی کسی نہ کسی روایت اور حدیث کا سہارا لیتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یزید بالکل بے قصور تھا المیہ کربلا کی اس پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی بعض کہتے ہیں اس نے پہلے تو ابن زیاد کے اس فعل کو درست قرار دیا۔ بعد میں شرمندہ و نادم ہوا بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ابن زیاد نے اپنے جی سے کچھ بھی نہیں کیا اس نے تو صرف یزید کے احکام کی پابندی کی کربلا اور کربلا کے بعد جو کچھ پیش آیا وہ سب یزید کے حکم سے اور یزید ایسا ہی چاہتا تھا اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اگر وہ چاہتا تو ابن زیاد کو اس کام سے روک سکتا تھا مگر اس نے نہیں روکا۔

لیکن جس بات پر تمام مورخین و محدثین کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ کبھی سننے میں نہیں آیا کہ یزید نے اپنے کسی عامل۔ کسی افسر فوج یا کسی چھوٹے بڑے سپاہی سے باز پرس کی ہو۔ اور کربلا میں اُن سے جو حرکتیں سرزد ہوئی تھیں اُن پر اُن کی گوشمالی کی ہو۔ کربلا کے المیہ کے بعد بھی یزید کا طرز عمل

اور انداز حکومت وہی رہا جو اس کے عمال وافسران فوج کا کربلا میں رہ چکا تھا۔ چنانچہ مدینہ منورہ کی غارتگری کا حکم اور مسلم بن عقبہ کو مدینہ کے مرد وزن کی جانوں کا مالک بنا دینا ہرگز ایسے شخص کا عمل نہیں قرار دیا جا سکتا جو کربلا کے سانحہ پر راضی نہ رہا ہو۔ نہ ایسے شخص کے تدبر وانتظام سلطنت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے جس کی مرضی کے خلاف یہ سارے واقعات پیش آئے ہوں۔ ہم بھی جانتے ہیں کہ واقعہ کربلا کے بعد بھی یزید اور یزید کے جتنے جانشین ہوئے وہ عوام الناس کو علی وحسین اور خاندان اہل بیت پر لعنت کرنے کا حکم دیا کئے اور اس حکم کی تعمیل اسلامی مملکت کے ہر ہر شہر و قصبہ میں کی جاتی تھی اولاد علی کا خون مباح قرار دیا جاتا تھا اُن پر ہر قسم کے ظلم و تعدی کی عام اجازت تھی لہذا جو شخص حسین کے مرنے کے دو برس بعد بھی حسین پر سب وشتم اور اُن پر لعنت کرنا جائز قرار دیتا ہو وہ اُن کا قتل تو بدرجہ اولیٰ جائز بلکہ واجب قرار دیتا ہو گا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ابن زیاد نے اپنی مرضی سے کچھ بھی نہ کیا بلکہ جو کچھ کیا وہ یزید کی مرضی اور اس کے اشارہ پر کیا اور در پردہ اسے ان تمام باتوں کی تاکید کی جا چکی تھی اس کا ثبوت یہ ہے کہ حسین اور اُن کی اولاد کا خاتمہ یزید کے نزدیک بہت ضروری تھا ان کو ختم کر کے ہی وہ اپنی سلطنت کو اپنے گھر میں مستقل اور اپنی اولاد کے لئے ہر قسم کے خرخشوں سے پاک کر سکتا تھا۔

یزید کا فائدہ اسی میں تھا کہ یہ سارے منصوبے اپنے عاملوں کے ذریعہ

پورے کرائے خود الگ بیٹھا رہے اور اس کے عمال و حکام سب کچھ کر گذریں اور جب کوئی ہنگامہ اٹھ کھڑا ہو تو خود صاف نکل جائے اور ساری ذمہ داری اپنے عاملوں کے سر ڈالدے کہ میں نے تو کچھ نہیں کیا نہ میں نے کسی بات کا حکم دیا یہ میرے عمال و حکام تھے جنھوں نے من مانی حرکتیں کیں۔

اگر ایسی بات نہ تھی اور اندر ہی اندر یزید نے یہ ساری تدبیر نہ کر رکھی تھی تو کتنی حیرت کی بات ہے اور کس قدر ناقابل یقین کہ گورنر کوفہ ابن زیاد اپنی مرضی سے سب کچھ کر ڈالے اور یزید کو خبر تک نہ ہو کربلا کا واقعہ کوئی ناگہانی واقعہ نہ تھا نہ دفعتہ پیش آگیا تھا۔ حسین مدینہ چھوڑ کر مکہ آئے۔ حج کے زمانہ تک اُن کا مکہ میں قیام رہا پھر وہاں سے وہ کربلا پہونچے اتنے طویل عرصہ میں یزید کو ان تمام باتوں کی خبر ضرور پہونچی ہوگی اور وہ ابن زیاد کو حسین کے متعلق اپنے تفصیلی ہدایات دے سکتا تھا دمشق سے کوفہ قاصد کئی مرتبہ آجا سکتے تھے اور اگر یہ سوچا سمجھا منصوبہ اور طے شدہ پروگرام نہ تھا تو دوسری خرابی لازم آتی ہے وہ یہ کہ یزید بالکل لاپرواہ انسان تھا اُسے اس کی پرواہی نہ تھی کہ اس کی حکومت میں کیا ہو رہا ہے اور حکومت کے معاملات لاپروائی اور تساہلی کے ساتھ استوار نہیں ہو سکتے۔
ہمارے نزدیک لاپروائی و سہل انگاری والا خیال زیادہ صحیح ہے بہ نسبت اس خیال کے کہ یہ اس کا سوچا سمجھا ہوا منصوبہ تھا اس لئے کہ وہ اپنی پوری مدت حکومت میں غافل و لاپرواہی رہا لہو و لعب سیر و شکار میں پڑا رہتا اور اپنے والیوں کو آزاد چھوڑے رہتا وہ جو چاہتے کرتے رہتے نہ

اُن سے کسی بات کا جواب طلب کیا جاتا اور نہ اُن کی کوئی روک ٹوک کی جاتی۔ شروع شروع وہ ابن زیاد اور اس کے کارپردازوں کی حرکتوں پر جی ہی جی میں خوش بھی ہوا لیکن زیادہ دیر نہیں گذرنے پائی کہ ان حرکتوں کے برے نتائج ظاہر ہوتے محسوس ہوئے اور خطرہ ہوا کہ کہیں چاروں طرف سے مجھ پر مصیبتیں نہ ٹوٹ پڑیں اپنی غفلت سے بیدار ہوا مگر جب وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا بقدر امکان اس نے تلافی کی کوشش بھی کی لیکن چونکہ ہشیار ہونے کے بعد بھی اس نے عقل و خرد و دوراندیشی و ہوشمندی سے کام نہ لیا اس لئے اس کی وقتی بیداری بھی بیکار رہی اس نے اپنی غفلت و سرمستی کے بدترین نتائج جلدی ہی دیکھ لئے۔ کربلا کے خونین حادثہ کی خبر عام ہوئے زیادہ دیر بھی نہ گذری تھی کہ دمشق اس کے پایہ تخت حکومت سے پہلے خود اس کے گھر سے احتجاج کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ یحییٰ بن حکم نے ابن زیاد کی سفاکیوں کا رونا رویا اور یزید کی عورتوں نے کربلا کے جانگداز ہولناک واقعات جو سنے اور اسیران اہلحرم کی جو ذلت واہانت دیکھی ان پر صدائے نوحہ و شیون بلند کی یزید کے فرزند معاویہ نے آنسو بہائے جب اس سے اس کے گریہ وزاری کی وجہ دریافت کی جاتی تو کہتا کہ میں بنی ہاشم کے مرنے والوں پر نہیں روتا میرا رونا تو بنی امیہ پر ہے کہ انھوں نے جو جرائم کئے ہیں ان کا انجام کیا ہوگا۔

یزید کی غفلت اور لاپرواہیاں جتنی بھی رہی ہوں بہر حال اس کی لاپرواہیوں کے جو سنگین نتائج برآمد ہوئے اور جنکا سلسلہ بعد کے زمانوں

میں بھی جاری رہا نہ انھیں سبک سمجھا جا سکتا ہے نہ اُن سے درگذر ممکن ہے۔

حادثہ کربلا کو پیش آئے دو برس بھی نہ گذرے تھے کہ مدینہ منورہ میں خونین انقلاب کی آگ بھڑک اٹھی کیونکہ بنی امیہ نے حسین کی شہادت کی خوب خوب تشہیر کی تھی اور بڑی خوشیاں منائی تھیں مدینہ کے گورنر عمرو بن سعید نے گریہ وزاری کی آوازیں اور خاندان نبوی کے نوحہ و شیون کی صداؤں کو سنکر قہقہہ لگایا تھا اور بطور مثل عمرو بن معدی کرب کے یہ اشعار پڑھے تھے۔

عجت نساء بنی زیاد عجۃ کعجیج نسوتنا غداۃ الارنب

بنی زیاد کی عورتیں چلا پڑیں جس طرح ہماری عورتیں واقعہ ارنب کی صبح چلاّ پڑی تھیں۔ جناب عقیل کی صاحبزادی جب اپنی خواتین کے ہمراہ یہ صدائے فریاد بلند کرتیں۔

ماذا تقولین ان قال النبی لکم ماذا فعلتم و انتم اخر الامم

لعترتی و باھلی بعد مفتقدی منھم اساری و منھم ضرجوا بدم

ما کان ھذا جزائی اذ نصحت لکم ان تخلفونی بسوءٍ فی ذوی رحمی

تم کیا جواب دو گے۔

جب پیغمبر خدا تم سے پوچھیں گے کہ تم نے آخری امت اور خیر الامم ہوکر یہ کیا کیا؟ میرے مرنے کے بعد میرے اہل بیت سے یہ کس قسم کے سلوک کئے کہ بعض تو ان میں قیدی بنے ہوئے ہیں اور بعض خاک و خون میں آلودہ۔ میں نے جو تمہارے ساتھ نیکیاں کیں ان کا صلہ یہ تو نہیں تھا کہ تم میرے

بعد میرے رشتہ داروں سے بدسلوکی کرو۔

تو بنی امیہ شماتت کا اظہار کرتے اور عمرو بن سعید کی زبان میں کہتے۔

"یہ خون عثمان کا بدلہ ہے"!

حالانکہ بنی امیہ کو قتل حسین پر خوش ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی نہ ان کا قتل خون عثمان کا بدلہ تھا دنیا جانتی ہے کہ حسین عثمان کی حفاظت کرتے ہوئے ان کے دروازہ پر زخمی ہوئے تھے انھوں نے دشمنوں کو ان تک آنے سے روکا ان کی اور ان کے گھر والوں کی پیاس بجھانے کی جان توڑ کوشش کی۔ یہ اظہار مسرت سوائے دیوانہ پن کے اور کچھ نہ تھا۔

.........بس.........

مدینہ کا خونیں انقلاب

کربلا کے جانکاہ و روح فرسا حادثہ نے اہل مدینہ کے کلیجے خون کر دیئے تھے ان کے دلوں میں غم و غصہ کی زبردست آگ بھڑک اٹھی تھی۔ اموی حکام کی انتہائی کوشش تھی کہ مدینہ میں جو تلاطم برپا ہوا ہے اور حکومت کی سفاکی و بہیمیت کے خلاف جو ہمہ گیر ہیجان ہے اور ان کے ظالمانہ و مستبدانہ طرز عمل کے خلاف جو عام برہمی و ناراضگی کی فضا پیدا ہو گئی ہے اسے غلط رنگ دیدیں۔ بجائے اس کے کہ وہ اہل مدینہ کے حزن و اندوہ کا پاس و لحاظ کرتے انھوں نے اپنی تمام توجہ اس پر صرف کر دی کہ اہل مدینہ کو حسین کی جانکاہ و دلخراش شہادت بھولنے پر مجبور کر دیا جائے اور غاصب و ظالم یزید کا انھیں طرفدار و ہوا خواہ بنایا جائے۔ انھوں نے مدینہ کے معززین پر مشتمل ایک وفد مرتب کر کے دمشق بھیجا۔ غرض یہ تھی کہ وہاں ان لوگوں کا گرمجوشی سے استقبال ہوگا عزت و تکریم داد و دہش سے انھیں سرفراز کیا جائے گا اور اس طرح ان لوگوں کے دلوں سے گرد کدورت دھل جائے گی۔ اور یہ وہاں سے پلٹیں گے تو یزید کے سرگرم حمایتی بن کر پلٹیں گے مگر ان لوگوں کے توقعات کے برخلاف یہ معززین دمشق

سے انتہائی نفرت و بیزاری کے جذبات لے کر واپس ہوئے اور مدینہ
آتے ہی انھوں نے یزید کا قلادہ بیعت اپنی گردنوں سے اتار پھینکا
اور انھوں نے مدینہ والوں سے کہا۔

ہم ایسے شخص کے پاس سے واپس آرہے ہیں جسے دین سے کوئی
سروکار ہی نہیں وہ شراب پیتا ہے طنبورے بجاتا ہے بازاری عورتیں
اس کی بزم میں رقص کرتی ہیں وہ کتوں سے کھیلتا ہے اور اوباشوں کی صحبت
میں شب بسر کرتا ہے۔"

ان معززین مدینہ کے قائد عبداللہ بن حنظلہ انصاری نے جو اپنے
زہد و ورع اور نیکو کاری کے سبب مدینہ میں بڑی عزت و توقیر کے
مالک تھے کہا کہ۔

"اگر مجھے سوائے میرے بیٹوں کے (ان کے آٹھ بیٹے تھے)
مددگار نہ بھی ملیں گے تب بھی میں ان بنی امیہ سے ضرور جہاد
کروں گا بے شک اس یزید نے مجھے بہت کچھ درہم و دینار دیئے
ہیں میں نے صرف اس لئے قبول کئے کہ ان کے ذریعہ قوت و
طاقت فراہم کرسکوں۔"

اہل مدینہ کے دلوں میں غم و غصہ کی آگ پہلے ہی سے سلگ رہی تھی
عبداللہ بن حنظلہ اور دیگر معززین کی تحریک انقلاب نے اس آگ کو پوری
طرح بھڑکا دیا باشندگان مدینہ نے حاکم مدینہ اور بنی امیہ کے جتنے افراد
وہاں تھے سب کو چن چن کر مدینہ سے نکال باہر کیا اور علانیہ طور پر یزید کی

بیعت توڑ ڈالی۔

ابن حنظلہ نے جو کہا تھا اُسے کر کے بھی دکھا دیا انھوں نے اپنے ایک ایک فرزند نثار کر دیئے وہ سب کے سب قتل ہو گئے اور بہت سے باعزت و حمیت مسلمانوں نے جنھیں یزید اور حکام یزید کی طاعت میں زندگی گذارنا شاق گذر رہا تھا اپنی جانیں قربان کر دیں۔

مدینہ کے انقلاب میں یہ بات پوری طرح ظاہر و ہویدا ہو گئی کہ یزید نے کربلا کے حادثہ سے ذرہ برابر سبق نہ لیا تھا اس لئے کہ اس نے مدینہ والوں کی سرکوبی کے لئے ایک شخص کو مامور کیا جو خباثت و دناءت اور کمینگی و رذالت میں کسی طرح بھی ابن زیاد سے کم نہ تھا۔ ابن زیاد ہی کی طرح اُسے بھی شقاوت و درندگی اور نت نئے عذاب و عقاب کرنے میں مزہ ملتا تھا یعنی مسلم بن عقبہ مری۔

یزید نے مسلم بن عقبہ کو مدینہ کی بغاوت کچلنے پر مامور کیا اور تاکید کی کہ ان انقلابیوں سے ہماری شرط پر بیعت لو اور اگر وہ فوراً ہی اطاعت نہ قبول کرلیں تو تین دن تک مدینہ تاراج و برباد کیا جائے۔

یزید نے مسلم بن عقبہ کو تاکید کی تھی کہ مدینہ میں داخل ہونے کے بعد تین دن تک وہاں کے باشندوں کو میری بیعت کی دعوت دیتے رہنا اور ان سے اس طرح بیعت لینا کہ۔

دو وہ امیر المومنین یزید کی بیعت کرتے ہیں اس حیثیت سے کہ وہ یزید کے غلام ہیں اُسے ان کی جان و مال پر مکمل اختیار ہے چاہے قتل کرے یا

جان بخشی کرے مال و اسباب سب لے لے یا چھوڑ دے"۔

اس شرط سے بڑھ کر بدترین اور انتہائی ناگوار شرط کیا ہو سکتی تھی اور جو اہل پیغمبر میں رہنے والوں کی جان و مال عزت و آبرو پر اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہو سکتا تھا کہ مسلم بن عقبہ ایسے خبیث اور پیدائشی کمینے آدمی کو اُن پر مسلط کر دیا جائے۔ یہ ظالم و سفاک انسان یزید کے اس حکم کی تعمیل کے لیئے اس طرح بے چین اور اپنے دانت تیز کئے ہوئے تھا معلوم ہوتا تھا کہ اپنے فطری کمینہ پن روح کی ناپاکی اور جسم کی بیماری کا انتقام لوگوں سے لینے کا خواہاں ہو اس نے مدینہ کی پوری آبادی کو تلوار کے تلے دھر لیا اور بھیڑ بکریوں کی طرح کاٹ ڈالا اتنا خون بہایا کہ لوگوں کے قدم ڈوب ڈوب گئے مہاجرین و انصار کی بے شمار اولادیں تہ تیغ ہوئیں وہ تباہی اس نے مچائی کہ بقول ابن کثیر کوئی اندازہ و شمار نہیں کیا جا سکتا۔

اس نے صرف خون بہانے اور عزت و آبرو ہی خاک میں ملانے پر اکتفا نہ کی بلکہ ایذا رسانی کی بھوک اور بہیمیت و شقاوت کی تشنگی اس طرح بجھائی کہ مقتول کو قتل کرنے سے پہلے جھوٹی امیدیں دلائیں تلوار مارنے سے پہلے دلدہی کی، مہربانی کی باتیں کیں اور جب اس غریب کے سہمے ہوئے دل کو کچھ اس بندھی تو جس طرح خون آشام بھیڑیا کمیں گاہ سے نکل کر دفعتہً اپنے شکار پر ٹوٹ پڑتا ہے اس نے اس غریب کی گردن اڑا دی۔

معقل بن سنان جو پیغمبر کے صحابی تھے مسلم بن عقبہ کے سامنے لائے گئے مسلم نے ان کے ساتھ بڑی نرمی و مہربانی کا برتاؤ کیا میٹھی باتیں کیں اس

کی باتوں سے جب انھیں ڈھارس ملی اور یہ امید ہو چلی کہ میری جان نہ لی جائے گی مسلم نے پوچھا معلوم ہوتا ہے کہ تم پیاسے ہو پھر حکم دیا کہ امیر المومنین یزید کے لئے جو معطر مشروب تیار کیا گیا ہے ان کے لئے لایا جائے جب معقل وہ مشروب پی چکے تو اس نے پوچھا سیراب ہوئے انھوں نے کہا ہاں دفعتہً مسلم کے تیور بگڑ گئے اور اس نے غضبناک ہو کر کہا۔

تم اس مشروب کو اپنے مثانہ سے خارج نہ کر پاؤ گے۔

اسی وقت جلاد کو حکم دیا اور جلاد نے اُن کا سر اڑا دیا۔

علامہ ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ تقریباً سترہ سو مہاجرین و انصار قتل ہوئے ان کے علاوہ دوسرے مقتولین کی تعداد کم و بیش دس ہزار ہو گی۔

کس کس طرح عزت دار بردلوگوں کی لوٹی گئی اور کس کس طرح مدینہ تاراج و برباد کیا گیا اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ مسلم بن عقبہ کا ایک سپاہی قبیلہ انصار کی عورت کے گھر میں گھسا وہ عورت اپنے دو چار دن کے بچے کو لئے گود میں دودھ پلا رہی تھی اس نے پوچھا تمہارے پاس کچھ روپے پیسے ہیں؟

اس عورت نے کہا خدا کی قسم فوجی سارا گھر لوٹ لے گئے کوئی چیز بھی ہمارے لئے نہیں چھوڑی تھی اس نے کہا میں بھی خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یا تو جو کچھ مال و دولت چھپائے ہو میرے حوالے کر دو ورنہ میں تمہیں بھی اڑا دونگا اور اس بچے کو بھی۔

عورت نے کہا یہ بچہ کسی اور کا نہیں ابن ابی کبشہ انصاری صحابی پیغمبر کا فرزند ہے۔

بچہ ماں کا دودھ پینے میں مصروف تھا اس شخص نے بچہ کی ٹانگیں پکڑ کر کھینچا اور دیوار پر دے مارا اس کا بھیجا نکل پڑا۔

یہ ایک نمونہ تھا شقاوت و بربریت کا ایسے ہی ہزاروں واقعات مدینہ کے گھروں میں پیش آئے جن کی عورتیں بچے چھوٹے بڑے بھی تہ تیغ ہوئے۔

مدینہ کو اچھی طرح تباہ و برباد کر کے یہ مسلم مکہ کی طرف روانہ ہوا ارادہ یہ تھا کہ جو کچھ مدینہ میں کر چکا ہے وہی سب مکہ میں دہرائے مگر موت نے مہلت نہ دی راستہ ہی میں مر گیا اور وہیں دفن ہوا۔ اہل مدینہ نے اس کی قبر کھود کر لاش نکال لی اور اُسے جلا کر پھونک دیا۔

.... بس ....

پاداشِ عمل

کربلا کے واقعہ کو چار برس بھی پورے نہ گذرے ہوں گے کہ یزید اپنے انجام کو پہونچا موت اسے گریباں گیر ہوئی اور کوفہ میں انتقام کی وہ زبردست آگ بھڑک اٹھی جس کے شعلوں نے ہر اس شخص کو اپنے لپیٹ میں لے لیا جس نے حسین یا حسین کے ہمراہیوں کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا تھا۔

خداوند عالم نے قاتلین حسینؑ پر اس شخص کو مسلط کیا جس نے ان کی عقوبت اور ایذا رسانیوں کا پورا پورا بدلہ دیا اور وہ مختار بن ابی عبیدہ ثقفی ہیں جو طالبان انتقام حسین کے قائد تھے مختار نے کوفہ والوں کو حسین کی نصرت و مدد سے پہلوتہی کرنے پر شرم دلائی اور ان سے کہا کہ وہ عہد کریں کہ وہ حسین کے خون کا انتقام لینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے نہ کسی بھی قاتل حسین کو معاف کریں گے کہ وہ زندگی کے مزے لوٹتا رہے۔

نہ تو عبید اللہ بن زیاد بچ سکا نہ عمر سعد نہ شمر بن ذی الجوشن نہ حصین بن نمیر نہ خولی بن یزید نہ کوئی ایسا شخص جس نے تلوار اٹھائی یا زبان سے کوئی ناسزا فقرہ کہا نہ وہ شخص جس نے مقتولین یا اہلحرم کا مال و متاع لوٹا۔

مختار نے جی کھول کر انتقام لیا قتل کیا زندہ جلایا گھروں کو منہدم کرا دیا

اور جو بھاگ نکلے انھیں پچھا کر کے گرفتار کیا۔ کربلا کے واقعہ میں جس کسی کی بھی شرکت ثابت ہو گئی کسی حیثیت سے بھی، وہ اپنے کیفر کردار کو ضرور پہونچا ابن زیاد قتل ہوا اور جلا ڈالا گیا شمر بن ذی الجوشن بھی قتل کیا گیا اور اس کے اعضاء بدن کتوں کے آگے ڈال دئے گئے اس طرح سیکڑوں نمودار قاتلین حسینؑ موت کے گھاٹ اترے اور ہزاروں سپاہی اور قاتلین حسین کے حوالی موالی نہر میں ڈوب گئے اُن کا پیچھا کیا گیا ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر انھیں تہ تیغ کیا گیا کوئی سفارش بھی ان کے متعلق سنی نہ گئی مختار اُن پر ایسا عذاب الہی بن کر مسلط ہو گئے جس میں مہربانی کا شائبہ تک نہ تھا۔

ہم تو نہیں سمجھتے کہ ان قاتلین حسین کی بہیمیت و شقاوت، لعنت و ملامت سے اتنی محفوظ رہی ہو یا اُن کا عذر قابل قبول سمجھا گیا ہو جتنا مختار کا عذر ان کے تشدد اور عذاب و عقاب میں قابل قبول ہے۔

تاراجی مدینہ کے بعد تیسری تباہی مکہ معظمہ پر آئی مدینہ کو تباہ و برباد کر کے وہی فوج مسلم ابن عقبہ کے نائب کی زیر سرکردگی مکہ پر حملہ آور ہوئی اور اس نے منجنیقیں لگا کر خانہ کعبہ پر سنگباری کی۔ رہی سہی کسر چند ہی برسوں کے بعد عبدالملک کے گورنر حجاج نے پوری کر دی جس نے اپنی مرضی سے یا اپنے آقا کے حکم و اشارہ سے مکہ معظمہ کے پہاڑوں پر منجنیقیں نصب کرا کر خانہ کعبہ پر آگ اور پتھروں کی بارش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لشکر یزید نے مکہ معظمہ کی جو تھوڑی بہت آبادی اور حرم مقدس کے نشانات چھوڑ دئے تھے وہ بھی نیست و نابود ہو گئے۔

بنی امیہ ایک کے بعد دوسری اسی طرح ہولناک حرکتیں کرتے رہے جن کا

نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی حکومت خاک میں مل گئی اور بنی عباس کی حکومت قائم ہوگئی جنکا پہلا خلیفہ سفاح ہوا۔ عباسیوں نے بنی امیہ کے نہ تو کسی زندہ کو بخشا نہ کسی مردہ کو انھوں نے بنی امیہ کے مکانات منہدم کرا دئے انکی قبریں کھدوا ڈالیں اتنے مظالم ڈھائے کہ لوگوں کو مختار کا زمانہ غنیمت معلوم ہونے لگا اور ان کے دور حکومت کو رحمت سے تعبیر کیا جانے لگا۔

کربلا کا سانحہ، مدینہ کی تباہی مکہ معظمہ کی بربادی یہ وہ کاری وار تھے جن کے ذریعہ بنی امیہ نے اپنی حکومت کو مضبوط اور اپنے مخالفین اور دشمنوں کو کچل کر اپنا اقتدار منوانا چاہا مگر ان کاری حملوں کا جتنا فائدہ ان کے مخالفین اور دشمنوں کو پہونچا انھیں نصیب نہ ہوا۔ بنی امیہ نے اپنے پیروں میں آپ کلہاڑی ماری اور ان کے ان تمام ہولناک اقدامات سے فائدہ ان کے مخالفین نے اٹھایا وہ ایک عرصہ تک وار کرتے رہے پھر جو پانسہ پلٹا تو اب قیامت تک انھیں پر وار ہوتے رہیں گے۔

یہ سب خمیازہ و پاداش تھی صرف ایک واقعہ کربلا کی وہ طویل و عریض حکومت جس کے سرے مشرق و مغرب تک پھیلے ہوئے تھے ایک انسان کی طبعی عمر بھی نہ پاسکی کربلا میں جو غالب دکھائی دے رہا تھا وہ مغلوب ثابت ہوا اور شرمناک و ذلیل ترین مغلوب۔

..............٭..............

فہرست مضامین

تاریخ اختتام یکم رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ مطابق ۲۸/۸/۷۶ء

ص۔ لقوی